سورۃ النمل

آیاتہا ۹۳ | ۲۷ سُوْرَۃُ النَّمْلِ مَکِّیَّۃٌ ۴۸ | رکوعاتہا ۷

سب کے قول کے مطابق یہ سورت مکی ہے۔ اس کی ترانوے آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی چورانوے آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝١ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝٢
الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝٣ اِنَّ
الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۝٤ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَ هُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝٥ وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ
لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝٦

”طا، سین، یہ آیتیں ہیں قرآن (حکیم) اور روشن کتاب کی (یہ) سراپا ہدایت اور خوشخبری ہے اہل ایمان کے لیے جو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز اور دیا کرتے ہیں زکوٰۃ اور وہ جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں بے شک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے خوبصورت بنا دیئے ان (کی نظروں) میں ان کے اعمال (بد) پس وہ سرگرداں پھر رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے لیے بدترین عذاب ہے اور یہی آخرت میں سب سے زیادہ گھاٹے میں ہوں گے: اور بے شک آپ کو سکھایا جاتا ہے قرآن حکیم بڑے دانا سب کچھ جاننے والے کی جانب سے“۔

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں حروف مقطعات کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ تِلْكَ یہ ھذہ کے معنی میں ہے یعنی یہ سورت قرآن کی آیات اور کتاب مبین کی آیات ہیں۔ لفظ قرآن معرفہ ذکر کیا اور کتاب مبین نکرہ کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا دونوں معرفہ کے حکم میں ہیں: جس طرح تو کہتا ہے: فلان الرجل عاقل و فلان الرجل العاقل۔ کتاب سے مراد قرآن ہے اس کی دو صفتیں جمع کی گئیں یعنی یہ قرآن ہے اور یہ کتاب ہے کیونکہ یہ کتابت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے اور قراءت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ان کا اشتقاق گزر چکا ہے۔ سورۂ حجر میں فرمایا: الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ (الحجر) کتاب کو معرفہ اور قرآن کو نکرہ ذکر کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن اور کتاب دو اسم ہیں ان میں سے ہر ایک اس کی صلاحیت رکھتا ہے کہ اسے معرفہ بنایا جائے اور اسے صفت بنایا جائے اس کی صفت جو

مبین کے ساتھ لگائی گئی ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنا امر، اپنی نہی، اپنا حلال، اپنا حرام، اپنا وعدہ اور اپنی وعید واضح کیا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ، هُدًى یہ الکتاب سے حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے تقدیر کلام یہ ہے: تلك آیات الکتاب هادیة و مبشرة، مبتدا ہونے کی حیثیت سے اس میں رفع بھی جائز ہے یعنی هو هدی۔ اگر تو چاہے صرف جار مجرور کے حذف کی بنا پر اس پر رفع پڑھے جیسے فیه هدی۔ یہ بھی جائز ہے کہ خبر لِلْمُؤْمِنِيْنَ ہو۔ پھر ان کی صفت بیان کی اور فرمایا: الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ سورۂ بقرہ کے آغاز میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ جو بعث بعد الموت کی تصدیق نہیں کرتے۔ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے اعمال سیہ کو مزین کیا یہاں تک کہ انہوں نے انہیں حسنہ خیال کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہم نے ان کے لیے ان کے اعمال حسنہ کو مزین کیا تو انہوں نے ان پر عمل نہ کیا۔ زجاج نے کہا: ہم نے ان کے کفر پر ان کی جزا بنائی کہ ہم نے ان کے لیے وہ مزین کیا جس میں وہ تھے۔ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ وہ اپنے اعمال خبیثہ میں متردد ہوتے ہیں اور اپنی گمراہی میں متردد ہوتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ابو العالیہ نے کہا: وہ اس میں طوالت اختیار کرتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: وہ کھیلتے ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ حیران ہوتے ہیں۔ راجز نے کہا:

أَعْمَى الهُدَى بالحائرين العُمَّهِ

بے بصیرت حیران و ششدر لوگوں پر ہدایت ناپید ہوگئی۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اس سے مراد جہنم ہے۔ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ، فِي الْاٰخِرَةِ وضاحت ہے یہ الْاَخْسَرُوْنَ کے متعلق نہیں کیونکہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دنیا میں خسارے میں رہے اور آخرت میں نفع کمایا اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کفر کے باعث آخرت میں خسارے میں رہے یہ ہر خسارہ پانے والے سے خسارہ میں ہے۔

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ یعنی اسے آپ پر القا کیا جاتا ہے تو آپ اسے پاتے ہیں، اسے سیکھتے ہیں اور اخذ کرتے ہیں مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ، لدن یہ عند کے معنی میں ہے مگر یہ مبنی ہے معرب نہیں کیونکہ یہ متمکن نہیں اس میں کئی لغات ہیں جن کو میں نے سورۂ کہف میں ذکر کیا ہے۔ یہ آیت ان قصوں کی تمہید ہے جن کو بیان کرنے کا قصد و ارادہ کیا۔ اور اس میں حکمتوں کے لطائف اور علم کے دقائق ہیں جن کو بیان کرنے کا قصد کیا۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَاۗءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَاَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۣ اِنِّيْ

لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۰﴾ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ

رَّحِیْمٌ ﴿۱۱﴾ وَ اَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰى

فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۱۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا

سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۳﴾ وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَیْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ

عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴﴾

’’(یاد فرماؤ) جب کہا موسیٰ نے اپنی زوجہ سے کہ میں نے دیکھی ہے آگ ابھی لے آتا ہوں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر یا لے آؤں گا تمہارے پاس (اس آگ سے) کوئی شعلہ سلگا کرتا کہ تم اسے تاپو پھر جب اس کے پاس پہنچے تو ندا کی گئی کہ بابرکت ہو جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے اور (ہر تشبیہ و تمثیل سے) پاک ہے الله جو رب العالمین ہے اے موسیٰ! وہ میں الله ہی ہوں عزت والا دانا۔ اور ذرا زمین پر ڈال دو اپنے سونٹے کو اب جو اسے دیکھا تو وہ (اس طرح) لہرارہا تھا جیسے سانپ ہو، آپ پیٹھ پھیر کر وہاں سے چل دیئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (فرمایا) موسیٰ! ڈرو نہیں میرے حضور ڈرا نہیں کرتے جنہیں رسول بنایا جاتا ہے مگر وہ شخص جو زیادتی کرے (وہ ڈرے) پھر (وہ ظالم بھی اگر) نیکی کرنے لگے برائی کرنے کے بعد تو میں بے شک غفور رحیم ہوں اور ذرا ڈالو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں وہ نکلے گا سفید چمکتا ہوا بغیر کسی تکلیف کے (یہ دو معجزے) ان نو معجزات میں سے ہیں جن کے ساتھ آپ کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا گیا۔ بے شک وہ بڑے سرکش لوگ ہیں پس جب آئیں ان کے پاس ہماری نشانیاں بصیرت افروز بن کر تو انہوں نے کہا: یہ تو جادو ہے کھلا ہوا اور انہوں نے انکار کر دیا ان کا حالانکہ یقین کر لیا تھا ان کی صداقت کا ان کے دلوں نے (ان کا انکار) محض ظلم اور تکبر کے باعث تھا پس آپ ملاحظہ فرمایئے کیا (ہولناک) انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا‘‘۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖۤ، اذ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے اور وہ فعل اذکر ہے گویا اسے اس ارشاد: وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ عَلِیْمٍ ﴿۶﴾ فرمایا: مراد ہے اے محمد! صلی الله علیک وسلم اس کی حکمت اور اس کے علم کے آثار میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ لیجئے جب انہوں نے اپنی بیوی سے کہا: اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا یعنی میں نے دور سے اسے دیکھا ہے۔ حرث بن حلزہ نے کہا:

آنَسَتْ نَبْأَةً وَأَفْزَعَهَا الْقُنَّاصُ عَصْرًا وَقَدْ دَنَا الْإِمْسَاءُ

اس نے خفی آواز محسوس کی، عصر کے وقت شکاریوں نے اسے خوفزدہ کیا جب کہ شام قریب آچکی تھی۔

سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ عاصم، حمزہ اور کسائی نے بِشِهَابٍ قَبَسٍ قراءت کی ہے (1)

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 249

شہاب تنوین کے ساتھ ہے۔ باقی قراء نے تنوین کے بغیر اضافت کی صورت میں پڑھا ہے۔ مراد آگ کا شعلہ ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے۔ فراء نے تنوین کو ترک کرنے کا گمان کیا ہے کہ یہ ان کے اس قول کے قائم مقام ہے ولدار الآخرۃ و مسجد الجامع اور صلاۃ الاولی شے کو اپنی ہی ذات کی طرف مضاف کیا جب اسماء مختلف ہوئے۔ نحاس نے کہا: شی کو اپنی ہی ذات کی طرف منسوب کرنا بصریوں کے نزدیک محال ہے کیونکہ لغت میں اضافت کا معنی ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ ملانا ہے تو یہ محال ہے کہ ایک چیز کو اپنی ہی ذات کے ساتھ ملایا جائے۔ ایک چیز کو دوسری چیز کی طرف مضاف کیا جاتا ہے تا کہ ملک اور نوع کا معنی واضح ہو جائے تو یہ محال ہے کہ یہ واضح ہو کہ وہ اپنی ذات کا مالک ہے یا وہ اپنی نوع سے ہے۔ و شہاب قبس نوع اور جنس کی اضافت ہے جس طرح تو کہتا ہے: ھذا ثوب خز، خاتم حدید وغیرہ۔ شہاب ہر نور والی چیز کو کہتے ہیں جس طرح ستارہ اور جلائی گئی لکڑی۔ قبس اسے کہتے ہیں جس کو اخذ کیا جائے، جیسے انگارہ وغیرہ۔ معنی ہے روشن جو انگارے میں سے ہو۔ یہ جملہ بولا جاتا: أقبستُ قبسا: اسم قبس ہے جس طرح تو کہتا ہے: قبضت قبضا، اسم قبض ہے۔ جس نے بشھاب قبس پڑھا اس نے قبس کو شہاب سے بدل بنایا ہے۔ مہدوی نے کہا: یہ اس کی صفت ہے کیونکہ قبس میں یہ جائز ہے کہ اسم ہو صفت نہ ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ صفت ہو جہاں تک اس کے صفت نہ ہونے کا تعلق ہے تو کیونکہ وہ کہتے ہیں: قبستُه اقبسُه قبسا، قبس کا معنی مقبوس ہے۔ جب وہ صفت ہے تو زیادہ اچھا یہ ہے کہ وہ نعت ہو۔ اس میں اضافت احسن ہوگی جب صفت نہ ہو۔ یہ نوع کی اپنی جنس کی طرف اضافت ہے جس طرح خاتم فضۃ وغیرہ۔ اگر بیان اور حال کے طریقہ پر قبس کو منصوب پڑھا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔ قرآن کے علاوہ میں اسے بشھاب قبسا پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ مفعول مطلق ہو، بیان ہو یا حال ہو۔

لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ، طاء کی اصل تاء ہے یہاں اس کو طاء سے بدل دیا گیا، کیونکہ طاء حروف مطبقہ میں سے ہے اور صاد بھی حروف مطبقہ میں سے ہے دونوں کو جمع کرنا اچھا ہے۔ اس کا معنی ہے وہ ٹھنڈک سے بچنے کے لیے گرمی حاصل کرتے ہیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اصطلی یصطلی جب وہ گرمائش حاصل کرے۔ شاعر نے کہا:

النارُ فاکھةُ الشتاءِ فمن یُرِدْ أکلَ الفواکِهِ شاتِیًا فلیصطلِ

آگ موسم سرما کا پھل ہے جو موسم سرما میں پھل کھانے کا ارادہ کرے تو وہ آگ تاپے۔

زجاج نے کہا: ہر سفید چیز جو نور والی ہو تو وہ شہاب ہوتا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: شہاب سے مراد آگ ہے۔ ابو نجم نے کہا:

کانما کان شھابا واقدا أضاء ضوءا ثم صار خامدا

گویا وہ روشن شہاب تھا اس نے روشن کیا پھر وہ بجھ گیا۔

احمد بن یحییٰ نے کہا: شہاب سے مراد ایسی لکڑی ہے جس کی ایک جانب انگارہ ہو اور دوسری جانب آگ نہ ہو۔ نحاس کا قول اس میں اچھا ہے: شہاب سے مراد روشن شعاع ہے اسی سے وہ ستارہ ہے جس کی روشنی آسمان میں پھیلتی ہے۔ شاعر نے کہا:

فی کفه صَعْدَةٌ مثقفةٌ فیھا سِنانٌ کشُعلة القَبَسِ

اس کی ہتھیلی میں سیدھا نیزہ ہے اس میں پھل ہے جس طرح قبس کا شعلہ ہوتا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهَا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس جگہ آئے جہاں انہوں نے گمان کیا تھا کہ وہ آگ ہے تو وہ نور تھا؛ یہ وہب بن منبہ کا قول ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ کو دیکھا تو اس کے قریب کھڑے ہو گئے اسے دیکھا کہ وہ درخت کی شاخ سے نکل رہی ہے وہ درخت انتہائی سرسبز ہے جسے علیق کہتے ہیں۔ آگ بڑھتی ہی جاتی ہے اور درخت زیادہ سرسبز و شاداب اور حسین ہوتا جاتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام متعجب ہوئے اور اس کی طرف اس مٹھے کو جھکایا جو ان کے ہاتھ میں تھا تا کہ اس سے اس کو روشن کریں وہ درخت ان کی طرف جھکا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سے خوفزدہ ہو گئے تو پیچھے ہٹ گئے پھر وہ لگاتار حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طمع کرتا رہا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی طمع کرتے رہے یہاں تک کہ معاملہ واضح ہو گیا کہ یہ مامور ہے وہ اس کے امر کو نہیں جانتے یہاں تک کہ ندا کی گئی: نُوۡدِیَ اَنۡۢ بُوۡرِکَ مَنۡ فِی النَّارِ وَ مَنۡ حَوۡلَهَا یہ بحث سورۂ طٰہٰ میں گزر چکی ہے۔ نُوۡدِیَ اللہ تعالیٰ نے اسے ندا کی جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ نَادَیۡنٰهُ مِنۡ جَانِبِ الطُّوۡرِ الۡاَیۡمَنِ (مریم:52)

اَنۡۢ بُوۡرِکَ زجاج نے کہا: ان محل نصب میں ہے اصل کلام اس طرح ہے بانه۔ یہ جائز ہے کہ یہ محل رفع میں ہو اسے نائب فاعل بنا دیا جائے۔ ابو حاتم نے حکایت بیان کی ہے کہ حضرت ابی اور حضرت ابن عباس اور مجاہد کی قراءت میں ان بورکت النار ومن حولھا ہے(1)۔ نحاس نے کہا: اس کی مثل اسناد صحیح میں نہیں پایا جاتا۔ اگر یہ صحیح ہو تو یہ قراءت تفسیر کی بنا پر ہوگی۔ برکت آگ اور جو اس کے اردگرد فرشتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے ان کی طرف لوٹ رہی ہے۔ کسائی نے عربوں سے روایت کیا ہے: بارك الله، بارك فيه۔ ثعلبی نے کہا: عرب کہتے ہیں: بارك الله، بارك فيه، بارك عليك، بارك لك۔ اس میں چار لغات ہیں۔ شاعر نے کہا:

فبوركتَ مولودًا و بوركتَ ناشِئًا وبوركتَ عند الشَّيبِ إذ أنتَ أشيبُ

تو حالت ولادت میں بابرکت تھا جوانی کے عالم میں بابرکت تھا اور تو بڑھاپے کے وقت بابرکت ہے جب تو سب سے بوڑھا ہے۔

طبری نے کہا: بُوۡرِکَ مَنۡ فِی النَّارِ، بورك فی من فی النار نہیں کہا یہ اس کی لغت کے مطابق ہے جو بارك الله کہتا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: بارکه الله، بارك له، بارك عليه اور بارك فيه، سب ایک معنی میں ہیں یعنی جو آگ پر تھا اس پر برکت ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے یا جو آگ کے قریب تھے نہ کہ یہ جو اس کے وسط میں تھے۔ سدی نے کہا: آگ میں ملائکہ تھے تو برکت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرشتوں کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی اے موسیٰ! تجھ پر برکت ڈالی گئی اور ان فرشتوں میں برکت رکھی گئی جو اس کے اردگرد تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تحیہ اور تکریم تھی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں کی زبانوں پر سلام کیا۔ فرمایا: رَحۡمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَکٰتُهٗ عَلَیۡکُمۡ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ (ہود:73)

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 250

تیسرا قول وہ ہے جو حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری اور سعید بن جبیر کا ہے۔ جو آگ میں تھا وہ مقدس تھا وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس سے مراد اپنی ذات لی جو مقدس دعا کی ہے۔ حضرت ابن عباس اور محمد بن کعب نے کہا: آگ اللہ تعالیٰ کا نور ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا کی جب کہ وہ نور میں تھے۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عظیم نور دیکھا تو اسے آگ گمان کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے آگ سے اپنی آیات اور کلام کے ساتھ ظہور فرمایا نہ کہ وہ کسی حیز میں تحیز فرمانے والا تھا وَ هُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ (الزخرف: 84) نہ یہ کہ ان دونوں میں تحیز فرماتا ہے لیکن وہ ہر فعل میں ظاہر ہوتا ہے تو اس کے ذریعے فاعل کا وجود ظاہر ہوتا ہے اس تعبیر کی بنا پر کہا گیا: یعنی جو آگ میں ہے اس کی سلطان اور قدرت میں برکت رکھی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آگ میں جو اللہ تعالیٰ کا امر ہے اس میں برکت رکھی گئی وہ امر جسے اللہ تعالیٰ نے علامت بنایا۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی صحت پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ سوتا نہیں اور نہ ہی اس کی شان ہے کہ وہ سوئے وہ میزان کو پست کرتا ہے اور اسے بلند کرتا ہے اس کا حجاب نور ہے اگر وہ حجاب کو ہٹا دے تو اس کی ذات کے انوار ہر شے کو جلا دیں جہاں تک اس کی نظر پہنچے"۔ پھر ابوعبیدہ نے اس آیت کی تلاوت کی اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ اسے امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابوموسیٰ سے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ باتیں فرمانے کے لیے ہمارے درمیان کھڑے ہوئے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نہیں سوتا اور اس کو زیبا نہیں کہ وہ سوئے وہ میزان کو پست کرتا ہے اور اسے بلند کرتا ہے۔ اس کی بارگاہ میں رات کا عمل دن کے عمل سے پہلے پیش کیا جاتا ہے اور دن کا عمل رات کے عمل سے پہلے پیش کیا جاتا ہے اس کا حجاب نور ہے" (1)۔ ابوبکر کی روایت میں نار کے الفاظ ہیں "اگر وہ اس حجاب کو ہٹا دے تو اس کی ذات کے انوار ان تمام چیزوں کو جلا دیں مخلوقات میں سے جہاں تک اس کی نظر پہنچے" (2)۔

ابوعبید نے کہا: سبحات سے مراد اس کی ذات کا جلال ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے: سبحان اللہ سے مراد اس کی تعظیم اور تنزیہ ہے لو کشفھا فرمان کا مطلب ہے اگر حجاب ان کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیا جائے اور اپنی رؤیت کے لیے ان کو ثابت نہ رکھے تو وہ سب جل جائیں اور وہ اس کے دیدار کی طاقت نہ رکھیں۔

ابن جریج نے کہا: آگ حجابوں میں سے ایک حجاب ہے یہ سات حجاب ہیں۔ حجاب العزۃ، حجاب الملك، حجاب السلطان، حجاب النار، حجاب النور، حجاب الغمام، حجاب الماء۔ اصل بات یہ ہے کہ مخلوق حجاب میں ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کو کوئی چیز حجاب میں نہیں رکھ سکتی۔ آگ نور ہی تھی اسے نار کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اثبات رؤیۃ المومنین فی الآخرۃ ربھم سبحانہ و تعالیٰ، جلد 1، صفحہ 99

2۔ سنن ابن ماجہ، باب فی انکرت الجھمیۃ، حدیث نمبر 191، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

نے اسے آگ ہی گمان کیا تھا۔ عرب نور اور نار کو ایک دوسرے کی جگہ رکھتے رہتے ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: آگ اپنی ذات کے اعتبار سے تھی اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام ایک طرف سے اسے سنایا اور اس کی جانب سے اپنی ربوبیت کو اس کے لیے ظاہر کیا یہ اسی طرح ہے جس طرح تورات میں مکتوب ہے جاء الله من سيناء واشرف من ساعير واستعلى من جبال فاران، فمجيئه من سيناء سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے مبعوث کرنا، اشرافه من ساعير سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس سے مبعوث کرنا اور استعلاؤه من فاران سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کرنا ہے۔ فاران سے مراد مکہ مکرمہ ہے سورۃ القصص میں اس بارے میں زیادہ وضاحت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام درخت سے آپ کو سنایا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اللہ رب العالمین کے لیے تنزیہ و تقدیس ہے۔ کئی مواقع پر یہ بحث پہلے گزر چکی ہے معنی ہے جو اس کے اردگرد ہیں وہ کہتے ہیں: وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ تو اسے حذف کر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام اس وقت کی جب وہ ندا کو سننے سے فارغ ہوئے مقصود اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا اور اس کی پاکی بیان کرنا تھا، یہ سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں سے ہے معنی ہے جس نے اللہ، جو رب العالمین ہے کی پاکی بیان کی اس میں برکت رکھ دی گئی ہے؛ ابن شجرہ نے اس کی حکایت بیان کی ہے۔

یٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ہا ضمیر بنیاد و سہارہ ہے کوفیوں کے قول میں یہ کنایہ نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ امر و شان سے کنایہ ہے۔ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ میں ایسا غالب ہوں کہ جس کی مثل کوئی شے نہیں۔ الْحَكِیْمُ وہ اپنے فعل اور امر میں حکیم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! کس نے ندا کی؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّهٗ یعنی میں ہی تجھے ندا کرنے والا ہوں۔ میں اللہ ہوں۔

وَ اَلْقِ عَصَاكَ وہب بن منبہ نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دیں تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے اسے یہ اس لیے فرمایا تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم ہو جائے کہ ان سے کلام کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے رسول ہیں۔ ہر نبی کے لیے اس کی ذات میں آیت کا ہونا ضروری ہے جس کے ساتھ وہ نبوت کو جان لے۔ آیت میں حذف ہے یعنی اپنا عصا پھینک دے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا اپنے ہاتھ سے پھینک دیا تو وہ حرکت کرتا ہوا سانپ ہو گیا گویا وہ جان ہے، وہ ہلکے چھوٹے سے جسم والا سانپ ہوتا ہے۔ کلبی نے کہا: نہ وہ چھوٹا نہ بڑا ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلے اسے چھوٹے سانپ کی شکل میں بدلا گیا جب آپ مانوس ہو گئے تو وہ بڑا ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایک دفعہ وہ چھوٹا سانپ بنا اور ایک دفعہ وہ دوڑتا ہوا سانپ بنا جو مونث تھا ایک دفعہ وہ ثعبان بن گیا، یہ سانپوں میں سے بڑا سانپ ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انقلبت ثعبانا تهتز کا معنی ہے گویا وہ جان تھا اس کی جسامت ثعبان جیسی تھی اور پھرتی جان جیسی تھی اور اهتزاز سے یعنی وہ دوڑتا ہوا سانپ ہے۔ جان کی جمع جنان ہوتی ہے اسی معنی میں ایک حدیث ہے نهى عن قتل الجنان التي في البيوت وہ باریک سانپ جو گھروں میں

ہوتے ہیں امن کے قتل سے منع کیا۔

وَّلّٰى مُدْبِرًا انسان کی عادت کے مطابق خوفزدہ ہو کر پیٹھ پھیر کر مڑا (1)۔ وَّ لَمْ يُعَقِّبْ نہ لوٹے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: متوجہ نہ ہوئے (2)۔ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ اے موسیٰ! سانپ اور اس کی تکلیف سے نہ ڈرو (3)۔ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ گفتگو مکمل ہوگئی پھر استثناء منقطع کی صورت میں کلام کی، فرمایا اِلَّا مَنْ ظَلَمَ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ محذوف سے مستثنیٰ ہے۔ معنی ہے میری بارگاہ میں مرسلین خوفزدہ نہیں ہوتے بلکہ ان کے علاوہ جو ظالم ہوتے ہیں وہ خوف کھاتے ہیں۔

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ کیونکہ وہ نہیں ڈرتا۔ یہ فراء کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: محذوف سے مستثنیٰ محال ہے کیونکہ یہ ایسی چیز سے مستثنیٰ ہے جو ذکر نہیں کی گئی اگر یہ جائز ہو تو یہ بھی جائز ہے إنی لا ضرب القوم إلا زيدا معنی یہ ہو انی لا اضرب القوم وانما اضرب غيرهم إلا زيدا، یہ بیان کی ضد ہے آنے والا ایسا ہے جس کا معنی معروف نہیں۔ فراء نے بھی یہ گمان کیا ہے کہ بعض نحوی الا کو واؤ کے معنی میں استعمال کرتے ہیں معنی ہوگا ولا من ظلم۔ شاعر نے کہا:

وكلُّ أخٍ مفارقُه أخوهُ لَعَمْرُ أبيكَ إلا الفرقدانِ

ہر بھائی کو اس کا بھائی چھوڑنے والا ہے تیرے باپ کی قسم اور فرقدان بھی چھوڑنے والا ہے۔

محل استدلال إلا الفرقدانِ ہے۔

نحاس نے کہا: الا کو واؤ کے معنی میں لینے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور کلام کسی صورت میں جائز نہیں الا کا معنی واؤ کے خلاف ہے، کیونکہ جب تو نے کہا: جاءنی اخوتك إلا زيدا تو نے زید کو اس سے نکال دیا جس میں بھائی داخل تھے۔ دونوں کے درمیان کوئی نسبت اور قربت نہیں۔ آیت میں ایک اور قول ہے وہ یہ کہ یہاں استثناء متصل ہو تقدیر کلام ہوگی إلا من ظلم من المرسلين باتيان الصغائر التي لا يسلم منها أحد سوى ما روى عن يحيىٰ بن زكريا عليه السلام۔ مگر مرسلین میں سے جو صغیرہ گناہ کا ارتکاب کرے ظلم کرے ایسا صغیرہ جس سے کوئی بھی محفوظ نہیں سوائے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے جن کے بارے یہ روایت کی گئی ہے اور جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ذکر کیا ہے: لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ (الفتح: 1) مہدوی نے اس کو ذکر کیا ہے۔ نحاس نے اسے پسند کیا ہے ان میں سے جو لغزش کرے گا اللہ تعالیٰ کو اس کا علم تھا تو اس کی اللہ تعالیٰ نے استثنا کردی، فرمایا: اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ کیونکہ وہ ڈرتا ہے اگرچہ میں نے اس کی خطا کو معاف کر دیا۔ ضحاک نے کہا: مراد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔ زمخشری نے کہا: جس طرح کی فروگزاشت حضرت آدم علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو گھونسا رسید کر کے کی۔

اگر کوئی کہنے والا کہے: توبہ اور مغفرت کے بعد خوف کا کیا معنی ہے؟ اس کو کہا جائے گا: اللہ تعالیٰ کی ذات کو جاننے والوں کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اپنی غلطیوں کے بارے میں ڈرتے ہی رہتے ہیں وہ اس سے امن میں نہیں ہوتے کہ توبہ کی شرطوں میں

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 251 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

سے کوئی شرط ایسی بھی ہو جس کو وہ بجا نہ لاتے ہوں وہ اس کے بارے میں مطالبہ سے ڈرتے ہیں۔

حضرت حسن بصری اور ابن جریج نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: میں نے تجھے اپنے نفس کو قتل کرنے سے ڈرایا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انبیاء سے لغزش ہوتی تھی تو ان کو عتاب بھی کیا جاتا تھا(1)۔ ثعلبی، قشیری، ماوردی اور دوسرے علماء نے کہا: اس تعبیر کی بنا پر استثنا صحیح ہے یعنی مگر انبیاء اور نبیین میں سے جس نے نبوت سے قبل صغیرہ گناہ کا ارتکاب کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام قبطی کو قتل کرنے کی وجہ سے ڈرے اور اس عمل سے توبہ کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ نبوت کے بعد صغائرہ اور کبائرہ سے معصوم تھے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ وہ قیامت کے روز اس سے اپنے آپ کو خارج کریں گے جس طرح شفاعت والی حدیث میں ہے جب مقرب آدمی سے کوئی لغزش واقع ہو جاتی ہے اگرچہ اس کی وہ خطا بخش دی جائے تب بھی اس کا اثر باقی رہ جاتا ہے۔ جب تک اثر اور تہمت قائم ہو تو خوف باقی ہوتا ہے یہ عقوبت کا خوف نہیں ہوتا بلکہ عظمت کا خوف ہوتا ہے۔ سلطان کے نزدیک جس پر تہمت لگائی گئی ہو تو وہ تہمت کی وجہ سے دل میں اضطراب پاتا ہے جو اسے اس طرف لے جاتا ہے کہ اس پر اعتماد کی صفائی مقدر ہو رہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس فرعون کے بارے میں امر وقوع پذیر ہوا تھا۔ پھر انہوں نے بخشش طلب کی اور اپنی جان پر ظلم کا اقرار کیا پھر آپ کو بخش دیا گیا پھر مغفرت کے بعد کہا: قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۝ (القصص) پھر اگلے روز ایک اور فرعونی سے ان کو آزمایا گیا اور آپ نے ارادہ کیا کہ اسے بھی پکڑیں تو اس ارادہ کے ساتھ ایک اور امر وقوع پذیر ہو گیا۔ اگلے روز ان کو آزمائش میں ڈالا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کی یوں حکایت بیان کی ہے: فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۝ (القصص) اقتدار کا کلمہ لن افعل سے عیاں ہے تو ارادہ کی وجہ سے ان پر عتاب کیا گیا جب انہوں نے پکڑنے کا ارادہ کیا اور نہ پکڑا۔ اللہ تعالیٰ نے اسرائیل کو آپ پر مسلط کر دیا یہاں تک کہ اس نے آپ کے راز کو ظاہر کر دیا کیونکہ جب اسرائیلی نے آپ کو دیکھا کہ پکڑنے کے لیے آپ آستین چڑھا رہے ہیں تو اس نے گمان کیا کہ وہ اس کو پکڑ رہے ہیں، تو اس نے راز ظاہر کر دیا: قَالَ يٰمُوْسٰۤى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ (القصص:19) فرعونی بھاگ گیا اور اس نے فرعون کو اس امر کے بارے میں آگاہ کر دیا جو اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں راز ظاہر کر دیا تھا۔ گزشتہ دن کے مقتول کا امر مخفی تھا یہ معلوم نہ تھا کہ کس نے اس کو قتل کیا ہے۔ جب فرعون کو اس کا علم ہو گیا تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں آدمی بھیجے تا کہ ان سے قتل کا بدلہ لے۔ سخت تلاشی کی گئی اور تمام چوکوں پر پہرے دار لگا دیئے گئے تو ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا عرض کی: قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ (القصص:20) حضرت موسیٰ علیہ السلام نکلے جس طرح اللہ تعالیٰ نے خبر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف اس حادثہ کی وجہ سے تھا اگرچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا قرب نصیب فرمایا، انہیں عزت دی اور کلام کے ساتھ چن لیا تو باقی ماندہ تہمت نے ان کو گرفت میں لیے رکھا اور پیچھا نہ چھوڑا۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 251

وَ اَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اس بارے میں گفتگو سورۂ طٰہٰ میں گزر چکی ہے فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ نحاس نے کہا: اس بارے میں جو گفتگو کی گئی ان میں سے سب سے بہترین یہ قول ہے کہ یہ معجزہ بھی ان نو معجزات میں داخل ہے۔ مہدوی نے کہا: معنی ہے اَلْقِ عَصَاكَ اور وَ اَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ یہ دونوں ان نو معجزات میں سے دو معجزات ہیں۔ قشیری نے کہا: معنی ہے جس طرح تو کہتا ہے: خرجتُ فی عشرۃ نفر۔ تو تو بھی ان میں سے ایک ہوتا ہے یعنی تو دس میں سے دسواں نکلا۔ فی، مِن کے معنی میں ہے کیونکہ یہ اس کے قریب ہے جس طرح تو کہتا ہے: خذلی عشرا من الابل فیھا فحلان دونوں فحل ان دس میں ہوتے ہیں۔ اصمعی نے امراء القیس کے قول کے بارے میں کہا:

وھل ینعمن من کان آخر عھدہ ثلاثین شھرا فی ثلاثۃ أحوالِ

محل استدلال فی ثلاثۃ أحوال ہے اس میں فی، مِن کے معنی میں ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فی، مع کے معنی میں ہے معجزات دس ہیں ان میں سے ایک یہ بیضاء ہے نو نشانیاں یہ ہیں: سمندر کا پھٹنا، عصا، ٹڈی دل، جوئیں، طوفان، خون، مینڈک، قحط سالی، شکل وصورت کا بدل جانا۔ تمام کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهٖ فراء نے کہا: کلام میں اضمار ہے کیونکہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے یعنی آپ فرعون اور اس کی قوم کی طرف مبعوث کیے گئے۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ اللہ تعالیٰ کی طاعت سے خارج ہونے والے ہیں۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً واضح اور واشگاف۔ اخفش نے کہا: اسے مَبصرۃ پڑھنا بھی جائز ہے یہ مصدر ہے جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے: الولد مَجْبَنَۃ۔

قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ وہ جھٹلانے میں سابقہ عادت پر قائم ودائم رہے اسی وجہ سے کہا: وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا انہیں یقین تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور یہ جادو نہیں لیکن انہوں نے کفر کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے تکبر کیا۔ یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ معاند تھے۔ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا مصدر محذوف کی صفت ہونے کی بنا پر منصوب ہیں، یعنی انہوں نے انکار کیا ان کا انکار ظلم اور اپنے آپ کو بلند سمجھنے کی وجہ سے تھا۔ با زائدہ ہے تقدیر کلام یہ ہوگی جحدھا، یہ ابو عبیدہ کا قول ہے۔

فَانْظُرْ اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم دیکھو كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ سرکش کافروں کا معاملہ کیسے ہوا! اپنے دل کی نظر سے دیکھ اور اس میں تدبر کر۔ خطاب آپ کو ہے اور مراد غیر ہیں۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَ قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَ قَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَ اُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ ۝

"اور یقیناً ہم نے عطا فرمایا داؤد اور سلیمان کو علم اور انہوں نے کہا: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے برگزیدہ کیا ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر اور جانشین بنے سلیمان داؤد کے اور فرمایا: اے لوگو! ہمیں

سکھائی گئی ہے پرندوں کی بولی اور ہمیں عطا کی گئی ہیں ہر قسم کی چیزیں، بے شک یہی وہ نمایاں بزرگی ہے (جو ہمیں مرحمت ہوئی)"۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ عِلْمًا علم سے مراد فہم ہے، یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دین، حکم وغیرہ کا علم، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ (الانبیاء: 80) ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیمیا گری کی صنعت؛ یہ قول شاذ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو نبوت اور زمین میں خلافت عطا فرمائی اور زبور عطا کی۔ وَ قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ اس آیت میں علم کے شرف، مقام کی بلندی اور اہل علم کے تقدم پر دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے علم کی نعمت سب سے عظیم نعمت ہے اور مومن بندوں میں سے جس کو علم عطا کیا گیا اسے خیر کثیر عطا کیا گیا۔ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (المجادلہ: 11) یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

وَ وَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَ قَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ کلبی نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس بچے تھے ان میں سے حضرت سلیمان علیہ السلام نبوت اور ملک میں ان کے وارث تھے اگر مال کی وراثت ہوتی تو تمام اولاد اس میں برابر ہوتی؛ یہ ابن عربی کا قول ہے کہا: اگر مال کی وراثت ہوتی تو تعداد کے اعتبار سے منقسم ہوتی اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان چیزوں کے لیے خاص کیا جو حضرت داؤد علیہ السلام میں حکمت اور نبوت تھی۔ اور ایسے ملک کے ساتھ فضیلت عطا کی گئی جو ان کے لیے مناسب نہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے تھے آپ بادشاہ تھے حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے ملک اور نبوت میں ان کے مقام کے وارث بنے یعنی اپنے والد کے فوت ہو جانے کے بعد یہ چیزیں ان کی طرف منتقل ہوئیں تو مجازاً انہیں میراث قرار دیا گیا۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح فرمایا: العلماء ورثة الانبياء، علماء انبیاء کے وارث ہیں (1)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: انا معشر الانبياء لا نورث سے مراد یہ ہو سکتا ہے کہ یہ انبیاء کا فعل اور ان کی سیرت ہے۔ اگرچہ ان میں ایسے افراد بھی ہوئے جو مال کے وارث ہوئے جس طرح حضرت زکریا، جس طرح مشہور قول ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: ہم مسلمانوں کی جماعت ہیں ہمارا شغل عبادت ہے۔ مراد ہے یہ اکثر کا فعل ہے اسی معنی میں وہ قول ہے جو سیبویہ نے بیان کیا ہے: انا معشر العرب أقرى الناس للضيف ہم عرب لوگ مہمان کی سب سے زیادہ ضیافت کرنے والے ہیں۔

میں کہتا ہوں: سورۂ مریم میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ صحیح قول پہلا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: انا معشر الانبياء لا نورث یہ عام ہے کوئی چیز دلیل کے بغیر اس میں سے خارج نہ ہوگی۔ مقاتل نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام بڑے ملک والے اور زیادہ فیصلے کرنے والے تھے۔ حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام سے زیادہ عبادت گزار تھے۔ دوسرے علماء نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام بادشاہت میں جس مقام پر پہنچے کوئی اور اس مقام پر نہ پہنچا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے انسانوں، جنوں، پرندوں اور وحشی جانوروں کو مسخر کر دیا تھا۔ اور ان کو وہ شان عطا فرمائی جو

1۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی فضل الفقه على العبادة، جلد 2، صفحہ 93، وزارت تعلیم

کسی اور کو عطا نہ فرمائی۔ وہ ملک و نبوت میں اپنے باپ کے وارث بنے اور ان کے بعد ان کی شریعت پر قائم رہے۔ ہر نبی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آیا جو ان میں سے تھا جسے مبعوث کیا گیا یا مبعوث نہیں کیا گیا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر تھا یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث کیے گئے تو آپ نے ان کی شریعت کو منسوخ کر دیا۔ ان کے درمیان اور ہجرت کے درمیان تقریباً اٹھارہ سو سال کا عرصہ حائل ہے۔ یہودی کہا کرتے تھے: ایک ہزار تین سو باسٹھ سال کا عرصہ حائل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے وصال اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے درمیان ایک ہزار سات سو سال کا عرصہ حائل ہے۔ یہودی اس میں سے تین سو سال کی کمی کرتے وہ پچاس سال سے زائد عرصہ زندہ رہے۔

وَ قَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر بجالانے کے انداز میں کہا **عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ** اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل و احسان فرمایا کہ اس نے ہمیں حضرت داؤد علیہ السلام کے علم، نبوت اور زمین میں خلافت کا وارث بنایا کہ ہمیں پرندوں کی آوازوں سے معانی کی تعلیم دی جو ان آوازوں میں معانی پنہاں تھے۔ مقاتل نے آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام ایک روز بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک پرندہ طواف کرتے ہوئے گزرا آپ نے اپنے ہم نشینوں سے فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ پرندہ کیا کہہ رہا ہے؟ اس نے مجھے کہا ہے: اے بادشاہ! جسے غلبہ دیا گیا ہے اسے سلام اور بنی اسرائیل کے نبی کو سلام، اللہ تعالیٰ نے تجھے کرامت عطا کی، تجھے تیرے دشمن پر غلبہ دیا میں اپنے بچوں کی طرف جا رہا ہوں پھر میں دوبارہ حاضر ہوں گا۔ وہ عنقریب دوبارہ آئے گا۔ پھر وہ دوبارہ آیا، فرمایا: وہ کہتا ہے: اے غلبہ دیئے گئے بادشاہ! تجھ پر سلام اگر آپ چاہیں تو میں اپنے بچوں کے لیے روزی تلاش کروں یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائیں پھر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا پھر تو میرے ساتھ جو چاہے سلوک کرے، اس نے جو کہا تھا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی خبر دی اور اسے اجازت دی اور وہ پرندہ چلا گیا۔

فرقد سخی نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام ایک بلبل کے پاس سے گزرے جو درخت پر بیٹھی ہوئی تھی جو اپنے سر کو حرکت دے رہی تھی اور اپنی دم کو جھکا رہی تھی آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ بلبل کیا کہتا ہے؟ انہوں نے عرض کی: نہیں اے اللہ کے نبی!۔ فرمایا: وہ کہہ رہا ہے میں نے نصف پھل کھایا ہے اور دنیا پر ہلاکت ہے۔ آپ ہدہد کے پاس سے گزرے جو ایک درخت پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے اس کا کمزور بچہ کھڑا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے فرمایا: اے ہدہد! ڈر۔ اس نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! یہ بچہ ہے اس میں کوئی عقل نہیں میں اس کے ساتھ مذاق کر رہا ہوں۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام لوٹے تو اسے پایا کہ وہ ایک بچے کے پھندہ میں ہے جو اس کے ہاتھ میں ہے پوچھا: ہدہد! یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں نے اسے نہ دیکھا یہاں تک کہ میں اس جال میں گر پڑا۔ فرمایا: تجھ پر افسوس تو زمین کے نیچے پانی دیکھ لیتا ہے کیا تو اس پھندے کو نہیں دیکھ سکتا؟ عرض کی: اے اللہ کے نبی! جب قضا آ جائے تو آنکھ اندھی ہو جاتی ہے۔

حضرت کعب نے کہا: قمری حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے سامنے چیخی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا: کیا

تم جانتے ہو وہ کیا کہتی ہے؟ ساتھیوں نے عرض کی: نہیں۔ فرمایا: یہ کہتی ہے مرنے کے لیے جیو اور برباد ہونے کے لیے تعمیر کرو۔ فاختہ چیخی پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا کہتی ہے؟ ساتھیوں نے عرض کی: نہیں۔ فرمایا: یہ کہتی ہے کاش یہ مخلوق پیدا نہ کی جائے جب انہیں پیدا کیا گیا ہے تو کاش یہ جانتے یہ کس لیے پیدا کیے گئے؟ ان کے پاس ایک مور نے چیخ ماری پوچھا کیا تم جانتے ہو یہ کیا کہتا ہے؟ ساتھیوں نے عرض کی: نہیں۔ فرمایا: یہ کہتا ہے جس طرح کرو گے ویسا بھرو گے۔ آپ کے پاس ہدہد نے آواز نکالی۔ پوچھا: کیا تم جانتے ہو یہ کیا کہتا ہے؟ ساتھیوں نے عرض کی: نہیں۔ فرمایا: یہ کہتا ہے جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ آپ کے پاس صرد (ایک پرندہ) نے آواز لگائی پوچھا: کیا تم جانتے ہو یہ کیا کہتا ہے؟ ساتھیوں نے عرض کی: نہیں۔ فرمایا: یہ کہتا ہے اے گناہگارو! اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل سے منع کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: صرد ہی وہ پرندہ تھا جس نے حضرت آدم علیہ اسلام کو بیت اللہ شریف کی جگہ بتائی تھی۔ یہ وہ پہلا جاندار ہے جس نے روزہ رکھا۔ اسی وجہ سے صرد کو صوام (روزہ رکھنے والا) کہتے ہیں؛ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ طیطوی آپ کے پاس چیخا پوچھا: کیا تم جانتے ہو یہ کیا کہتا ہے؟ ساتھیوں نے عرض کی: نہیں۔ فرمایا: یہ کہتا ہے ہر زندہ مرنے والا ہے اور ہر نئی چیز بوسیدہ ہونے والی ہے۔ خطافہ (پرندہ) آپ کے پاس چیخی پوچھا: کیا تم جانتے ہو یہ کیا کہتی ہے؟ ساتھیوں نے عرض کی: نہیں۔ فرمایا: یہ کہتی ہے بھلائی آگے بھیجو تم اسے پاؤ گے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطافہ کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نکلے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وحشت کی شکایت کی، تو اللہ تعالیٰ نے خطاف کے ساتھ انس عطا کیا اور انہیں گھروں میں رہنا لازم کر دیا یہ بنی آدم سے انس کی وجہ سے جدا نہیں ہوتے فرمایا: اس کے پاس قرآن کی چار آیات ہوتی ہیں لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۴﴾ (الحشر) حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس کبوتری بولی۔ پوچھا: کیا تم جانتے ہو یہ کیا کہتی ہے؟ انہوں نے عرض کی نہیں۔ فرمایا: وہ کہتی ہے سبحان ربی العظیم المھیمن۔ کعب نے کہا: سلیمان نے انہیں بیان کیا کوا کہتا ہے: اللہ عشار پر لعنت کر۔ چیل کہتی ہے: كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (القصص: 88) اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ کونج کہتی ہے: جو خاموش رہا سلامتی پا گیا۔ ببغاء کہتا ہے: دنیا جس کا مقصود ہے اس کے لیے ہلاکت ہے۔ مینڈک کہتا ہے: سبحان ربی القدوس۔ بازی کہتا ہے: سبحان ربی وبحمدہ، سرطان کہتا ہے: سبحان المذکور بکل لسان فی کل مکان سبحان جو ہر زبان سے ہر جگہ ذکر کی جاتی ہے۔

مکحول نے کہا: دراج حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس چیخا۔ پوچھا: کیا تم جانتے ہو وہ کیا کہتا ہے؟ فرمایا: وہ کہتا ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿۵﴾ (طٰہٰ) حضرت حسن بصری نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب مرغ چیختا ہے تو وہ کہتا

ہے: اے غافلو! اللہ کا ذکر کرو"۔

حضرت حسن بن علی بن ابی طالب نے کہا: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "گدھ جب آواز نکالتی ہے تو وہ کہتی ہے: اے ابن آدم! جتنا عرصہ چاہے زندہ رہ لے آخر کار تیری موت ہے جب عقاب آواز نکالے تو کہتا ہے: لوگوں سے دوری میں راحت ہے۔ جب قنبر آواز نکالے تو کہتا ہے: اے اللہ! آل محمد سے بغض رکھنے والوں پر لعنت فرما۔ جب خطاف آواز نکالے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وہ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ پڑھتا ہے تو اس کے ساتھ اپنے آواز کو لمبا کرتا ہے، جس طرح قاری اپنی آواز کو لمبا کرتا ہے"۔ قتادہ اور شعبی نے کہا: یہ امر پرندوں میں خاص طور پر ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ، چیونٹی پرندہ ہے کیونکہ اس کے پر پائے جاتے ہیں۔ امام شعبی نے کہا: یہ چیونٹی دو پروں والی تھی۔ ایک جماعت نے کہا: یہ تمام حیوانات میں ہوتا ہے۔ پرندوں کا ذکر اس لیے ہوا کیونکہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکروں میں ایک لشکر تھا۔ سورج کی تپش سے بچنے کے لیے ان کی ضرورت ہوتی اور کچھ امور کے لیے انہیں بھیجا جاتا۔ ان کی کثرت مداخلت کی وجہ سے پرندوں کا خصوصاً ذکر کیا۔ باقی حیوانات کا امر نادر ہے اور پرندوں کے تردد کی طرح تردد نہیں۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: منطق کا لفظ بعض اوقات ایک چیز کے لیے بولا جاتا ہے جو کلام کے بغیر سمجھی جائے۔ اللہ تعالیٰ جو ارادہ فرمائے اسے خوب جانتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: جو آدمی یہ کہے وہ پرندوں کی بولی کے سوا کچھ نہیں سمجھتا تو یہ عظیم نقصان ہے۔ لوگوں کے لیے ایسا اتفاق ہوا ہے کہ وہ ایسی چیزوں کا کلام سمجھ جائے جو تکلم نہیں کرتے تھے ان کے لیے نباتات کا قول پیدا کر دیا جاتا۔ ہر جڑی بوٹی اسے کہتی: میں فلاں درخت ہوں میں فلاں چیز سے نفع دیتی ہوں اور فلاں چیز سے نقصان دیتی ہوں، تو تیرا حیوانات کے بارے میں کیا خیال ہے؟

وَ حُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الطَّیْرِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ۝

"اور فراہم کیے گئے سلیمان کے لیے لشکر جنوں، انسانوں اور پرندوں سے پس وہ نظم و ضبط کے پابند ہیں"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ حُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ حشر جمع کیے گئے حشر کا معنی جمع کرنا ہے۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝ (الکہف) حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکروں کی مقدار میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: آپ کے لشکروں کی چھاؤنی سو فرسخ ضرب سو فرسخ تھی پچیس فرسخ جنوں کے لیے، پچیس فرسخ انسانوں کے لیے، پچیس فرسخ پرندوں کے لیے اور پچیس فرسخ وحشی جانوروں کے لیے تھی آپ کے ایک ہزار کمرے تھے جو شیشے کے بنے ہوئے تھے جو شیشہ لکڑی پر لگایا گیا تھا ان میں تین سو منکوحہ بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں۔ ابن عطیہ نے کہا: ان کی چھاؤنی میں اختلاف کیا گیا ہے اور لشکر کی مقدار میں شدید اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ان کا ملک عظیم تھا جو روئے زمین کے برابر تھا تمام آبادی ان کی اطاعت گزار تھی۔

فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ اس کا معنی ہے ان کے اوّل کو ان کے آخر کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور انہیں روکا جاتا ہے۔ قتادہ نے کہا: ہر صنف کے لیے ان کے رتبہ اور مقام کے اعتبار سے کرسی یا زمین میں سے جگہ مختص تھی جب وہ اس میں چلتے۔ یہ جملہ بولا جاتا

ہے: وزعته اوزعه وزعا۔ یعنی میں نے اس کو روک لیا۔ جنگ میں وازع اسے کہتے ہیں جو صفوں کو منضبط کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے جو ان صفوں میں آگے نکلتا ہے اس کو روکتا ہے۔

محمد بن اسحاق نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذی طویٰ کے مقام پر ٹھہرے مراد فتح مکہ ہے تو ابو قحافہ نے اپنی بیٹی سے کہا جب کہ ان کی نظر جاتی رہی تھی: مجھے جبل ابی قبیس پر لے چلو۔ حضرت اسماء نے کہا: میں انہیں جبل ابی قبیس پر لے گئی پوچھا: کیا دیکھتی ہو؟ میں نے کہا: میں ایک مجتمع لشکر دیکھتی ہوں کہا: وہ گھوڑے ہوں گے۔ بیٹی نے کہا: میں لشکر میں ایک آدمی دیکھتی ہوں جو کبھی آگے جاتا ہے اور کبھی پیچھے جاتا ہے۔ کہا: وہ ناظم ہوگا جو لشکر کو منتشر ہونے سے روکے گا۔ تمام واقعہ ذکر کیا۔ اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”شیطان کو یوم عرفہ سے بڑھ کر کسی روز زیادہ بے حیثیت، لاچار، حقیر اور غصے میں نہیں دیکھا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس روز اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بڑے بڑے گناہوں سے اللہ تعالیٰ کے درگزر کرنے کو دیکھتا ہے مگر جو اس نے یوم بدر کو دیکھا (تو وہ اس روز زیادہ ذلیل ورسوا ہوا)“ عرض کی گئی۔ یا رسول اللہ! اس نے کیا دیکھا؟ فرمایا: ”اس نے جبریل امین کو دیکھا کہ وہ فرشتوں کو منظم کر رہے ہیں“۔ امام مالک نے موطا میں اسے ذکر کیا ہے (1)۔ اسی معنی میں نابغہ کا قول ہے:

عَلى حِينَ عاتبتُ المَشيبَ على الصِّبا وقلت أَلَمّا أَصحُ والشَّيبُ وازِعُ (2)

جب میں نے بچپنے میں ہی بڑھاپے کو عتاب کیا اور میں نے کہا: کیا جب میں بچپنے کو چھوڑ رہا ہوں جب کہ بڑھاپا منظم کر رہا ہے؟

ایک شاعر نے کہا:

ولما تلاقينا جرت من جفوننا دموعٌ وزعنا غَرْبها بالأصابعِ

جب ہم ملے تو ہماری پلکوں سے آنسو بہہ پڑے ہم نے آنسو بہنے کی جگہ کو انگلیوں سے درست کیا۔

ایک اور شاعر نے کہا:

ولا يَزَعُ النفسَ اللَّجوجَ عن الهوى من النّاس إلا وافرُ العقل كامله

لوگوں میں سے کامل عقل والا ہی جھگڑالو نفس کو محبت سے روکتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ توزیع سے مشتق ہے جس کا معنی تفریق ہے۔ القوم اوزاع قوم کئی طائفوں میں بٹی ہوئی ہے۔ قصہ میں ہے شیاطین نے آپ کے لیے ایک قالین بنایا جو ایک فرسخ لمبا اور ایک فرسخ چوڑا تھا ریشم میں سونے کی تاریں تھیں۔ اس پر سونے کی کرسی رکھی جاتی۔ اس کے اردگرد سونے اور چاندی کی دو ہزار کرسیاں رکھی جاتیں۔ انبیاء سونے کی کرسیوں پر بیٹھتے اور علماء چاندیوں کی کرسیوں پر بیٹھتے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ امام اور حاکم ضابطہ بنائیں جو لوگوں کو روکیں اور ان کو ایک دوسرے

1۔ موطا امام مالک، کتاب الحج، باب جامع الحج، صفحہ 457، وزارت تعلیم

2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 253

سے آگے بڑھنے سے روکیں کیونکہ حکام کے لیے بذات خود یہ فریضہ سرانجام دینا ممکن نہیں ہوتا۔ ابن عون نے کہا: میں نے حضرت حسن کو یہ کہتے ہوئے سنا جب کہ وہ اپنی مجلس قضا میں موجود تھے جب آپ نے لوگوں کو دیکھا جو کچھ وہ کر رہے ہیں، فرمایا: اللہ کی قسم! ان لوگوں کو ضابطہ ہی درست کر سکتے ہیں۔ حضرت حسن نے یہ بھی کہا: لوگوں کے لیے ایک منتظم کا ہونا ضروری ہے یعنی ایسے سلطان کا ہونا ضروری ہے جو انہیں روکے۔ ابن قاسم نے ذکر کیا ہے ہمیں مالک نے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: امام لوگوں کو اتنا منظم نہیں کرتا جتنا قرآن منظم کرتا ہے۔ ابن قاسم نے کہا: میں نے مالک سے پوچھا: یہ یزع کیا ہے؟ فرمایا: وہ روکتا ہے۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: قوم اس کلام کی مراد سے جاہل ہے انہوں نے گمان کیا اس کا معنی ہے کہ سلطان کی قدرت وقوت لوگوں کو اس سے زیادہ روکتی ہے جس قدر قرآن کی حدود روکتی ہیں یہ اللہ تعالیٰ اور اس کی حکمت سے ناواقفیت ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حدود کو مصلحت عامہ کافہ کے لیے وضع کیا جو مخلوق کے امور کو درست رکھتی ہیں نہ ان پر کوئی زیادتی ہو سکتی ہے اور نہ ہی کمی ہو سکتی ہے اس کے سوا کوئی درست نہیں لیکن ظالم ان کی وجہ سے ذلیل ہوئے اور ان سے کوتاہی کی اور جو کچھ کیا نیت کے بغیر کیا۔ فیصلہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا کا قصد نہ کیا اور مخلوق ان کی وجہ سے نہ رکی۔ اگر وہ عدل کے ساتھ فیصلہ کرتے، نیت کو خالص رکھتے تو امور درست ہو جاتے اور جمہور لوگ درست ہو جاتے۔

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰى وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾

"یہاں تک کہ جب وہ گزرے چیونٹیوں کی وادی سے تو ایک چیونٹی کہنے لگی: گھس جاؤ اپنی بلوں میں کہیں کچل کر نہ رکھ دے تمہیں سلیمان اور ان کے لشکر اور انہیں معلوم ہی نہ ہو (کہ تم پر کیا گزر گئی) تو سلیمان ہنستے ہوئے مسکرا دیئے اس کی اس بات سے اور عرض کرنے لگے: میرے مالک! مجھے توفیق دے تاکہ میں شکر ادا کروں تیری نعمت (عظمیٰ) کا جو تو نے مجھ پر فرمائی اور میرے والدین پر نیز (مجھے توفیق دے کہ) میں وہ نیک کام کروں جسے تو پسند فرمائے اور شامل کر لے مجھے اپنی رحمت کے باعث اپنے نیک بندوں میں"۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قتادہ نے کہا: ہمارے لیے یہ بات ذکر کی گئی کہ یہ شام میں ایک وادی ہے۔ کعب نے کہا: یہ طائف میں ایک وادی ہے۔ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ شعبی نے کہا: چیونٹی کے دو پر تھے وہ پرندوں میں سے تھی اس وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام اس کی بولی سمجھ گئے۔ اگر وہ پرندہ نہ ہوتی تو آپ اس کی بولی کو نہ سمجھتے۔ یہ بحث گزر چکی ہے اور بعد میں بھی آئے گی۔ سلیمان تیمی نے مکہ میں نَمُلَة اور النَّمُل نون کے فتحہ اور میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا

ہے۔ ان سے دونوں کو ضمہ کے ساتھ پڑھنے کی قراءت بھی منقول ہے۔ نملہ کو نملہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ اکثر حرکت کرتی رہتی ہے اور کم ہی ایک جگہ ٹھہرتی ہے۔ کعب نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام طائف کی وادیوں میں سے وادی سدیر سے گزرے تو آپ وادی نمل پر آئے۔ ایک چیونٹی چل رہی تھی وہ لنگڑاتے ہوئے چل رہی تھی اس کی جسامت اتنی تھی جتنی جسامت بھیڑیے کی ہوتی ہے اس نے ندا کی: یٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ۔

زمخشری نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی آواز تین میلوں سے سن لی۔ وہ لنگڑا کر چل رہی تھی جب کہ وہ لنگڑی تھی۔ اس کا نام طافیہ تھا۔ سہیلی نے کہا: علماء نے اس چیونٹی کا نام مکلمہ رکھا ہے جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کلام کی۔ انہوں نے کہا: اس کا نام "حرمیا" تھا۔ میں نہیں جانتا کہ نملہ کے لیے کیسے اسم علم تصور کیا جا سکتا ہے جب کہ چیونٹیاں ایک دوسرے کو نام نہیں دیتیں اور نہ ہی انسانوں کے لیے یہ ممکن ہے کہ ان کو کوئی مخصوص نام دیں، کیونکہ انسانوں کے لیے وہ ایک دوسرے سے ممتاز نہیں ہوتیں اور نہ ہی وہ بنی آدم کی ملک کے تحت واقع ہیں، جس طرح گھوڑے اور کتے وغیرہ جو چیز اس طرح تھی اس کی علمیت عربوں کے ہاں موجود تھی۔ اگر تو کہے: علمیت اجناس میں موجود تھی جس طرح ثعالہ، اسامہ، جعار، قثام، بجو کے یہ اسماء ہیں۔ اس کی امثلہ بے شمار ہیں۔ چیونٹی کا نام اس قبیل سے نہیں کیونکہ انہوں نے گمان کیا کہ یہ نام تمام چیونٹیوں میں سے ایک چیونٹی کا تھا ثعالہ وغیرہ جنس میں سے ایک کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس جنس سے جس کو بھی تو دیکھے تو وہ ثعالہ ہے اسی طرح اسامہ، ابن آدی، ابن عرس اور اس جیسے اسماء۔ جو کچھ انہوں نے کہا اگر وہ صحیح ہے تو اس کی کوئی وجہ ہوگی۔ وہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس بولنے والی چیونٹی کو تورات یا زبور میں یا کسی اور صحیفہ میں نام دیا گیا اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ نام ذکر کیا اور انبیاء حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے اس کا نام جانتے تھے یا بعض انبیاء نام جانتے تھے۔ اس کے بولنے اور اس کے ایمان کی وجہ سے نام میں اسے خاص کیا گیا تو یہ وجہ ہو سکتی ہے۔ ہمارے قول کہ اس کے ایمان کی وجہ سے مراد یہ ہے کہ اس نے دوسری چیونٹی سے کہا: لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ اس کا قول۔ وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ مومن کا ہی قول ہو سکتا ہے یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کا عدل، ان کا فضل اور ان کے لشکروں کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ چیونٹی اور اس سے چھوٹی چیز کو بھی ہلاک نہیں کرتے مگر اس صورت میں کہ انہیں احساس ہی نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام کا تبسم اس کے حکم پر اظہار مسرت ہے۔ اسی وجہ سے تبسم کو ضَاحِكًا کے قول سے مؤکد کیا، کیونکہ بعض اوقات تبسم ضحک اور رضا کے بغیر ہوتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے وہ کہتے ہیں: تبسم تبسم الغضبان، تبسم تبسم المستهزئین۔ ضحاک کا تبسم یہ خوشی سے ہی ہوتا ہے۔ نبی دنیا کے امر سے خوش نہیں ہوتا وہ تو امر آخرت اور امر معین سے خوش ہوتا ہے اس کا قول: وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ یہ دین، عدل، رافت کی طرف اشارہ ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکروں کے بارے میں چیونٹی کا قول: وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ کی مثل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَتُصِیْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَیْرِ عِلْمٍ (الفتح: 25) اس امر کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ہے کہ وہ مومن کے خون کو رائیگاں کرنے کا قصد نہیں کرتے۔ مگر فرق یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کی ثنا کرنے والی چیونٹی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی تعریف اللہ تعالیٰ نے

خود فرمائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکروں کو دوسرے انبیاء کے لشکروں پر فضیلت ہے، جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے انبیاء پر فضیلت حاصل ہے۔ شہر بن حوشب نے مَسْکَنَکُم سین کے سکون کے ساتھ واحد کا صیغہ پڑھا ہے (1)۔ حضرت ابی کے مصحف میں مساکنکن لا یحطمنکم ہے سلیمان تیمی نے مساکنکم لا یحطمنکن قراءت کی ہے۔ نحاس نے اس کا ذکر کیا ہے تمہیں روندکر تم کو توڑ پھوڑ ہی نہ دیں جب کہ وہ تمہارے بارے میں جانتے بھی نہ ہوں۔ مہدوی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس چیونٹی کو یہ فہم عطا کیا تا کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے معجزہ ہو جائے۔ وہب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا کہ کوئی کسی چیز کا تکلم نہ کرے مگر وہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے کان میں ڈالے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شیاطین نے آپ کے ساتھ مکر و دھوکہ کا ارادہ کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وادی یمن کے علاقہ میں تھی۔ وہ عام چیونٹیوں کی طرح چیونٹی تھی؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ نوف شامی اور شقیق بن سلمہ نے کہا: اس وادی کی چیونٹیاں جسامت میں بھیڑیوں کی طرح تھیں۔ بریدہ اسلمی نے کہا: وہ بھیڑ جتنی تھیں۔ محمد بن علی ترمذی نے کہا: اگر وہ اس شکل وصورت پر تھی تو اس کی آواز بھی ہو گی۔ چیونٹی کی آواز اس کے چھوٹے جسم کی وجہ سے مفقود ہوتی ہے ورنہ پرندوں اور چوپاؤں میں آوازیں تو ہوتی ہیں یہی ان کی گفتگو ہوتی ہے۔ ان کی گفتگو میں تسبیح وغیرہ کے معانی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (الاسراء: 44) یہی مقصود ہے۔

لَا یَحْطِمَنَّكُمْ یہ کلبی کے قول کی صحت پر دال ہے اگر وہ بھیڑیوں اور بھیڑوں کی جسامت کی ہوتیں تو وہ روندی نہ جا سکتیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ انسانوں سے خطاب کے طریقہ پر کلام آئی ہے کیونکہ جب چیونٹی نے کلام کیا تو اسے انسانوں کے قائم مقام رکھا جس طرح انسان گفتگو کرتے ہیں۔ ابو اسحاق ثعلبی نے کہا: میں نے بعض کتابوں کو دیکھا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس چیونٹی سے کہا: تو نے چیونٹیوں کو کیوں ڈرایا کیا تو میرے ظلم سے خوف زدہ ہو گئی؟ کیا تو نہیں جانتی کہ میں عادل نبی ہوں؟ تو نے یہ کیوں کہا: یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ چیونٹی نے عرض کی: کیا آپ نے میرے اس قول کو نہیں سنا: وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ جب کہ میں نے نفوس کو تباہ و برباد کرنے کا ارادہ نہ کیا۔ میں نے تو دلوں کے برباد کرنے کا ارادہ کیا اس ڈر سے کہ وہ بھی اس کی تمنا نہ کریں جس طرح کی حکومت آپ کو دی گئی یا دنیا کی وجہ سے وہ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں یا آپ کی حکومت کو دیکھ کر تسبیح اور ذکر سے غافل ہی نہ ہو جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے کہا: تو مجھے نصیحت کر۔ چیونٹی نے کہا: کیا تجھے علم ہے تیرے والد کا نام داؤد کیوں رکھا گیا؟ فرمایا: نہیں۔ اس نے عرض کی: کیونکہ انہوں نے اپنے دل کے زخم کی دوا کی۔ کیا تجھے علم ہے تیرا نام سلیمان کیوں رکھا گیا؟ فرمایا: نہیں۔ اس نے عرض کی: آپ کو جو کچھ عطا کیا گیا ہے اس پر آپ سینہ کی سلامت کے ساتھ سلیم پہلو والے ہیں اور تیرے لیے مناسب ہے کہ تو اپنے والد کے ساتھ جا ملے۔ پھر اس نے عرض کی: آپ کو علم ہے اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے ہوا کو کیوں مسخر کیا؟ فرمایا: نہیں۔ اس نے عرض کی: اللہ تعالیٰ نے تجھے خبر دی ہے کہ تمام دنیا ہوا ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 254

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا متعجب ہوتے ہوئے مسکرائے پھر وہ اپنی قوم کی طرف جلدی چلی گئی۔ اس چیونٹی نے کہا: کیا تمہارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو ہم اللہ تعالیٰ کے نبی کو ہدیہ دیں۔ انہوں نے کہا: ہم اس کو جو ہدیہ دیں اس کی کیا حیثیت ہے؟ اللہ کی قسم! ہمارے پاس تو صرف ایک بیر ہے۔ اس چیونٹی نے کہا: بہت اچھا ہے وہ میرے پاس لے آؤ وہ بیر اس چیونٹی کے پاس لے آئے اس نے بیر کو اپنے منہ میں اٹھایا وہ اسے کھینچتے ہوئے چلی اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا کہ وہ اسے اٹھا لے وہ انسانوں، جنوں، علماء، انبیاء کو چیرتے ہوئے قالین پر آگے بڑھی یہاں تک کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے آ گری پھر اس بیر کو اپنے منہ سے آپ کی ہتھیلی پر رکھ دیا اور کہنے لگی:

ألم ترنا نُهدِي إلى الله مَالَهُ وإن كان عنه ذا غنى فهو قابلُهُ
ولو كان يُهدَى للجليل بقدره لقصر عنه البحرُ يوما وساحلُهُ
ولكننا نُهدي إلى من نُحِبُّه فيرضى به عنا ويشكر فاعلُهُ
وما ذاك إلا من كريم فعالُه وإلا فما في ملكنا ما يشاكلُهُ

کیا تو ہمیں نہیں دیکھتا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا مال ہدیہ کے طور پر دیتے ہیں اگرچہ وہ اس سے غنی ہے تو وہ اس کو قبول کرنے والا ہے۔ اگر جلیل القدر ہستی کو کوئی چیز اس کی قدر کے مطابق ہدیہ کی جاتی تو سمندر اور اس کا ساحل اس سے قاصر ہوتے لیکن ہم وہ چیز ہدیہ کے طور پیش کرتے ہیں جسے ہم پسند کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہم سے راضی ہو جاتا ہے اور اس کا فاعل شکر گزار ہوتا ہے یہ نہیں ہے مگر جس کے افعال کرامت والے ہیں اور ہمارے ملک میں تو اس کی شایان شان کوئی چیز نہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم میں برکت ڈالے۔ وہ اس دعوت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے زیادہ شکر کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے سب سے زیادہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جانداروں کو قتل کرنے سے منع کیا، ہدہد، صرد، نملہ (چیونٹی)، شہد کی مکھی۔ ابوداؤد نے اسے نقل کیا ہے اور ابو محمد عبدالحق نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ سورۃ الاعراف میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ چیونٹی نے حضرت سلیمان کی تعریف کی اور جو مقدر کیا جاسکتا تھا اس کی خوبصورت ترین انداز میں خبر دی کہ اگر وہ تمہیں روندیں گے تو انہیں شعور نہیں ہوگا۔ وہ ارادہ سے ایسا نہیں کریں گے۔ ظلم کی ان سے نفی کی، اس وجہ سے اس کے قتل اور ہدہد کے قتل کی نہی کی کیونکہ اسی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو پانی پر رہنمائی اور بلقیس تک آپ کا پیغام پہنچایا۔ عکرمہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہدہد سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے شر کو دور کیا کیونکہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والا تھا۔ صرد کو صوام بھی کہتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے صرد نے روزہ رکھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام شام سے حرم کی طرف نکلے مقصد بیت اللہ کی تعمیر تھی تو سکینہ (بادل) اور صرد آپ کے ساتھ تھا۔ صرد جگہ پر رہنمائی کرتا اور بادل اتنی مقدار پر رہنمائی کرتا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بقعہ مبارکہ میں پہنچے تو بادل بیت اللہ شریف کی جگہ آکر رک گیا اور ندا کی: اے

ابراہیم! میرے سایہ کے برابر تعمیر کرو۔ سورۃ الاعراف میں مینڈک کو قتل کرنے سے نہی کا سبب اور سورۂ نحل میں شہد کی مکھی کو قتل کرنے سے نہی کا سبب گزر چکا ہے۔ الحمدللہ

مسئلہ نمبر 2۔ حضرت حسن بصری نے لا یَحَطِّمَنکم اور لا یحِطِّمَنکم پڑھا ہے۔ حضرت حسن بصری سے اور ابورجاء سے یہ بھی مروی ہے لا یُحَطِّمَنکم حطم کا معنی توڑ دینا ہے۔ حطمتہ حطما و تحطم۔ میں نے اسے توڑ دیا اور وہ ٹوٹ گیا۔ تحطیم کا معنی کثرت سے یا شدت سے توڑنا ہے وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝ (النمل) یہ جائز ہے کہ یہ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ سے حال ہو، حال میں عامل یَحْطِمَنَّكُمْ ہے یا یہ النملۃ سے حال ہے اور عامل قالت ہے۔ اس نے کہا: یہ لشکروں کی غفلت کی حالت میں ہوگا، جس طرح تیرا یہ قول ہے: قمت والناس غافلون یا یہ النمل سے حال ہے اور عامل قالت ہے معنی یہ ہے نمل نہیں سمجھتے تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ان کی بات سمجھتے ہیں۔ یہ امر حقیقت سے بعید ہے اس کی وضاحت بعد میں آئے گی۔

مسئلہ نمبر 3۔ امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایک چیونٹی نے انبیاء میں سے ایک نبی کو کاٹا تو اس نبی نے چیونٹی کو بستی کو کھودنے کا حکم دیا تو اسے جلا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس نبی کی طرف وحی کی: کیا یہ ایک چیونٹی کے کاٹنے کے باعث ہے تو نے ایک ایسی امت کو ہلاک کر دیا جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیا کرتی تھی''۔ ایک اور سند میں ہے فهلا نملة واحدة (1)۔ ہمارے علماء نے کہا: ایک قول یہ کیا جاتا ہے اس نبی سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے عرض کی: اے میرے رب! تو اہل قریہ کو ان کی نافرمانیوں کے باعث عذاب دیتا ہے جب کہ ان میں اطاعت گزار بھی ہوتے ہیں، گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پسند کیا کہ اللہ تعالیٰ اسے وہ دکھا دے جو اس کے پاس اس کی حکمت ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر گرمی کو مسلط کیا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک درخت کی پناہ لی آپ اس کے سایہ سے راحت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس درخت کے پاس چیونٹیوں کی بستی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نیند غالب آگئی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نیند کی لذت پائی تو چیونٹی نے ان کو کاٹا اور آپ کو پریشان کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں مسلا اور ان سب کو ہلاک کر دیا اور جس درخت کے پاس ان کے مساکن تھے اس درخت کو جلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس میں اسے عبرت و حکمت دکھا دی۔ جب تجھے ایک چیونٹی نے کاٹا تو تو نے کیوں دوسری چیونٹیوں کو سزا دی؟ ارادہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے آگاہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے عقوبت عام ہوتی ہے یہ مطیع کے لیے رحمت، طہارت اور برکت ہوتی ہے اور نافرمان کے لیے شر اور انتقام ہوتا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر حدیث میں کوئی ایسی چیز نہیں جو چیونٹی کے قتل کی کراہت یا امتناع پر دلالت کرے۔ بے شک جو تجھے اذیت دے تو تیرے لیے حلال ہے کہ تو اس سے اپنا دفاع کرے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے مومن سے بڑھ کر کوئی حرمت والا نہیں۔ تیرے لیے مباح ہے کہ تو قتل کرنے یا مارنے کے ساتھ اپنا دفاع کرے۔ تو ان کیڑے مکوڑوں اور جانوروں کی کیا حیثیت ہے جو تیرے لیے مسخر کر دی گئی ہیں اور تجھے ان پر مسلط کر دیا گیا ہے جب وہ تجھے اذیت دے تو تیرے لیے اس کا قتل مباح ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب قتل الحیات وغیرھا، باب النھی عن قتل النمل، جلد 2، صفحہ 236

براہیم سے مروی ہے چیونٹی میں سے جو تجھے اذیت دے تو تو اسے قتل کر۔ یہ قول الا نملة واحدة اسی امر پر دلیل ہے کہ جو اذیت دے اسے اذیت دی جائے اور اسے قتل کیا جائے۔ جب قتل نفع کے لیے ہو یا ضرر کو دور کرنے کے لیے ہو تو علماء کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ نملہ کو مطلق ذکر کیا اور اس نملہ کو خاص نہ کیا جس نے کاٹا تھا کیونکہ مراد قصاص نہیں تھا کیونکہ اگر اس کا ارادہ ہوتا تو فرماتا: الا نملتك التی لدغتك۔ بلکہ نملہ کی جگہ فرمایا: الا نملة، اس کے ساتھ یہ جانی اور بری کو عام ہو گیا، تاکہ معلوم ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے متنبہ فرمائے کہ وہ کس لیے تمام بستی والوں کو عذاب دیتا ہے جب کہ ان میں مطیع و عاصی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس نبی کی شریعت میں حیوانوں کو جلانے کے ساتھ سزا دینا جائز تھا۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے صرف جلانے پر عتاب نہیں فرمایا بلکہ کثیر چیونٹیوں کو جلانے پر عتاب فرمایا۔ کیا تو یہ فرمان نہیں دیکھتا: فهلا نملة واحدة یعنی تو نے ایک چیونٹی کو کیوں نہ جلایا۔ یہ ہماری شرع کے خلاف ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ کے ساتھ عذاب دینے سے منع کیا ہے۔ فرمایا: لا یعذب بالنار الا الله (1) اسی طرح اس نبی کی شریعت میں چیونٹیوں کو قتل کرنا مباح تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چیونٹی کے قتل پر انہیں عتاب نہ کیا جہاں تک ہماری شریعت کا تعلق ہے تو اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس سے نہی آئی ہے۔ امام مالک نے اسے مکروہ جانا ہے کہ چیونٹی کو قتل کیا جائے مگر اس صورت میں کہ وہ تکلیف دے اور اس کی تکلیف کو اس کو مارنے کے بغیر دور نہ کر سکے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نبی کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے عتاب کیا کیونکہ انہوں نے اپنی ذات کے لیے ایسی جمعیت سے انتقام لیا جن میں سے ایک نے اسے اذیت دی تھی۔ زیادہ بہتر صبر اور درگزر کرنا تھا۔ لیکن اب نبی کے لیے یہ واقع ہوا کہ یہ نوع انسان کو اذیت دیتی ہے اور بنی آدم کی حرمت حیوانوں میں سے جو ناطق نہیں ان کی حرمت سے بڑھ کر ہے۔ اگر اس کے لیے یہ نظر منفرد ہوتی اور اس کے ساتھ طبعی تشفی شامل نہ ہوتی تو اس کو عتاب نہ کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ لیکن جب طبعی تشفی اس کے ساتھ شامل تھی جس پر سیاق حدیث دلالت کرتا ہے تو اس پر عتاب کیا جاتا۔

مسئلہ نمبر 4۔ أنی ان قرصتك نملة أهلكت أمة من الأمم تسبح (2) اس کا مقتضا تو یہ ہے کہ یہ تسبیح قول اور نطق کی صورت میں تھی، جس طرح اللہ تعالیٰ نے نمل کے بارے میں خبر دی کہ اس کی زبان تھی جسے حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے تھے۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اس کی بات پر مسکرائے، یہ واضح دلالت ہے کہ چیونٹی گفتگو کرتی ہے لیکن اسے ہر کوئی نہیں سنتا، بلکہ اللہ تعالیٰ جس ولی یا نبی کے لیے بطور خرق عادت ایسی صلاحیت پیدا فرما دیتا ہے۔ ہم اس لیے اس کا انکار نہیں کرتے کہ ہم اسے نہیں سنتے۔ عدم ادراک سے مدرک کا عدم لازم نہیں کرتا۔ پھر انسان اپنے نفس میں قول اور کلام پاتا ہے مگر اس سے وہ کلام اس وقت تک نہیں سنا جاتا مگر جب وہ کلام کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کے لیے خرق عادت کے طور پر یہ صلاحیت پیدا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی وہ کلام سنا دی جو انہوں نے آپس میں کی اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اس کی بھی خبر دے دی۔ جس طرح کتب معجزات میں ہمارے کثیر ائمہ سے منقول ہے۔ اس طرح

1۔ جامع ترمذی فی التفسیر، جلد 1، صفحہ 190 2۔ صحیح مسلم، کتاب قتل الحیات وغیرها، باب النهی عن قتل النمل، جلد 2، صفحہ 236

کثیر اولیاء سے بھی ایسا واقع ہوا جن کو اللہ تعالیٰ نے شرف سے نوازا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں یہی مراد لیا ہے: ان فی امتی محدثین وان عمر منھم میری امت میں محدثین ہیں اور حضرت عمران میں سے ہیں (1)۔ سورۂ اسراء میں جمادات کی تسبیح کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے وہ تسبیح زبانی اور قولی ہے یہ دلالت حال کی تسبیح نہیں۔ الحمد للہ۔

مسئلہ نمبر 5۔ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا ابن سمیقع نے ضحکا پڑھا ہے (2) یہ فعل محذوف کا مصدر ہے جس فعل محذوف پر تبسم دلالت کرتا ہے گویا فرمایا: ضحك ضحكا، یہ سیبویہ کا مذہب ہے۔ سیبویہ کے علاوہ دوسرے علماء کے نزدیک یہ تبسم سے منصوب ہے، کیونکہ یہ ضحك کے معنی میں ہے جس نے ضاحکا پڑھا ہے تو وہ تبسم کے ضمیر سے حال کی وجہ سے منصوب ہے معنی ہے ضحك کی مقدار تبسم فرمایا کیونکہ ضحک تبسم کو مستغرق ہوتا ہے۔ اور تبسم، ضحك سے کم درجہ کا ہوتا ہے یہ اس کا آغاز ہوتا ہے یہ کہا جاتا ہے: بسم یبسم بسما فھو باسم وابتسم، تبسم۔ مبسم سے مراد دانت ہیں جس طرح مجلس یہ جلس یجلس سے مشتق ہے رجل جسام، بسام۔ بہت زیادہ ہنسنے والا۔ تبسم ضحک کا آغاز ہے۔ ضحک ابتدا اور انتہا سے عبارت ہے مگر ضحک تبسم پر زیادتی کا تقاضا کرتا ہے۔ جب اس میں اضافہ کرے اور انسان اپنے نفس پر ضبط نہ کر سکے تو اس وقت کہا جاتا ہے: اس نے قہقہہ لگایا، تبسم عموماً انبیاء کا ضحک ہوتا ہے۔ صحیح میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ کو عرض کی گئی: کیا آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے؟ فرمایا: ہاں اکثر آپ اپنے مصلیٰ سے نہ اٹھتے جس پر صبح کی نماز ادا فرماتے، یہاں تک کہ سورج طلوع ہوتا جب سورج طلوع ہوتا تو آپ اٹھ کھڑے ہوتے صحابہ باتیں کرتے اور جاہلیت کے معاملات کرتے وہ ہنستے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرماتے۔

اس بارے میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ مشرکوں میں سے ایک آدمی نے مسلمانوں کو جلا دیا حضرت سعد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تیر پھینکیے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں'' (3)۔ کہا: میں نے اس (مشرک) کے لیے ایسا تیر نکالا جس میں پھل نہیں تھا میں نے اس کے پہلو میں مارا وہ گر گیا تو اس کی شرمگاہ کھل گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے یہاں تک کہ میں نے آپ کی داڑھیں مبارک دیکھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر تبسم فرمایا کرتے تھے۔ بعض دوسرے مواقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبسم سے زیادہ ضحک فرماتے جو تبسم سے بڑھ کر ہوتا اور استغراق سے کم ہوتا جس میں کوا ظاہر ہو جاتا ہے شاذ و نادر طور پر آپ زیادہ تعجب کے موقع پر ضحک فرماتے یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہو جاتیں۔

علماء نے ضحک کی کثرت کو مکروہ جانا ہے جس طرح حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اے بیٹے! زیادہ ہنسنے سے بچو۔ زیادہ ضحک دل کو مار ڈالتا ہے۔ حضرت ابوذر اور دوسرے علماء سے مرفوع مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں جب حضرت سعد نے اس آدمی کو تیر مارا تھا تو وہ تیر اس کو جا لگا تھا۔ آپ کی خوشی اس کی شرمگاہ کے کھلنے کی وجہ سے نہ تھی بلکہ تیر لگنے کی وجہ سے تھی، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے عیوب سے مبرا ہیں۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، جلد 1، صفحہ 521　2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 254
3۔ صحیح مسلم، باب فی فضل سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، جلد 2، صفحہ 281

مسئلہ نمبر 6۔ علماء کے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ تمام حیوانات کے اذہان اور عقلیں ہیں۔ امام شافعی نے کہا: حمام (کبوتر) تمام پرندوں سے زیادہ عقل والا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: چیونٹی ایسا حیوان ہے جو ذہین ہے قوی ہے بہت زیادہ سونگھنے کی قوت رکھتی ہے، وہ ذخیرہ کرتی ہے، بستیاں بناتی ہیں، دانے کو دو حصوں میں کاٹتی ہے تاکہ وہ نہ اگے، دھنیا کو چار حصوں میں کاٹتی ہیں کیونکہ جب اس کو دو حصوں میں کاٹا جائے تو وہ اگ پڑتا ہے اس نے جو جمع کیا ہوتا ہے وہ سال میں اس کا نصف کھاتی ہے اور باقی بطور سامان محفوظ رکھتی ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ ہمارے نزدیک علوم کے خواص ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جب پیدا کیا تو چیونٹی نے ان کا ادراک کرلیا۔ استاذ ابو مظفر شاہنور اسفرائنی نے کہا: یہ کوئی بعید نہیں کہ بہائم عالم کے حادث ہونے، مخلوقات کے حادث ہونے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچانیں، لیکن ہم اس سے یہ چیز نہیں سمجھتے اور وہ ہم سے اس چیز کو نہیں سمجھتے۔ مگر ہم ان کی تلاش کرتے ہیں تو وہ ہم سے دور بھاگتے ہیں یہ جنسیت کے حکم کی وجہ سے ہے۔

وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰى وَالِدَیَّ ان مصدریہ ہے اَوْزِعْنِیْۤ یہ مجھ میں الہام فرما۔ اس کی اصل وزع ہے گویا عرض کی: مجھے ایسی چیزوں سے روک دے جو ناراضگی کا باعث ہیں۔ محمد بن اسحاق نے کہا: اہل کتاب یہ گمان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ اوریا کی بیوی تھی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کا امتحان لیا۔ اوریا کے فوت ہونے کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے شادی کی تو اس نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جنا اس کی مزید وضاحت سورۂ ص میں آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

وَ اَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ فی، مع کے معنی میں ہے، یہ ابن زید سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اپنے صالح بندوں کے زمرہ میں داخل فرمادے۔

وَ تَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَا لِیَ لَاۤ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ٘ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآىِٕبِیْنَ ۝ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا اَوْ لَاۡاَذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝ فَمَكَثَ غَیْرَ بَعِیْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ ۝ اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّ لَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ ۝ وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ فَهُمْ لَا یَهْتَدُوْنَ ۝ اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ یَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ۝ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۝ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَا ذَا یَرْجِعُوْنَ ۝

''اور آپ نے (ایک روز) پرندوں کا جائزہ لیا تو فرمانے لگے: کیا وجہ ہے کہ مجھے (آج) ہدہد نظر نہیں آرہا یا وہ

ہے ہی غیر حاضر (اگر وہ غیر حاضر ہے) تو میں ضرور اسے سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح ہی کر ڈالوں گا یا اسے لانا پڑے گی میرے پاس کوئی روشن سند پس کچھ زیادہ دیر نہ گزری (کہ وہ آ گیا) اور کہنے لگا: میں ایک ایسی اطلاع لے کر آیا ہوں جس کی آپ کو خبر نہ تھی اور (وہ یہ کہ) میں لے آیا ہوں آپ کے پاس ملک سبا سے ایک یقینی خبر میں نے پایا ایک عورت کو جوان کی حکمران ہے اور اسے دی گئی ہے ہر قسم کی چیز سے اور اس کا ایک عظیم الشان تخت ہے میں نے پایا ہے اسے اور اس کی قوم کہ وہ سب سجدہ کرتے ہیں سورج کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور آراستہ کر دیئے ہیں ان کے لیے شیطان نے ان کے (یہ مشرکانہ) اعمال پس اس نے روک دیا ہے انہیں (سیدھے) راستہ سے پس وہ ہدایت قبول نہیں کرتے وہ کیوں سجدہ نہ کریں اللہ تعالیٰ کو جو نکالتا ہے پوشیدہ چیزوں کو آسمانوں اور زمین سے اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو اللہ تعالیٰ نہیں ہے کوئی معبود بجز اس کے وہ مالک ہے عرش عظیم کا آپ نے فرمایا: ہم پوری تحقیق کریں گے اس بات کی کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو بھی غلط بیان کرنے والوں سے ہے لے جا میرا یہ مکتوب اور پہنچا دے ان کی طرف پھر ہٹ کر کھڑا ہو جا ان سے اور دیکھ وہ ایک دوسرے سے کیا گفتگو کرتے ہیں"۔

اس میں اٹھارہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ جس سفر میں چیونٹی کا ذکر ہوا اس میں ایک اور چیز کا ذکر کیا جس طرح پہلے گزرا ہے۔ تَفَقَّدَ کا مطلب ہے جو چیز تجھ سے غائب ہو اس کی تلاش کرنا۔ طیر اسم جمع ہے واحد طیر ہے۔ یہاں طیر سے مراد جنس طیر اور جماعت ہے۔ وہ سفر میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس رہتے اور اپنے پروں سے آپ کو سایہ کرتے لوگوں نے پرندوں کی تلاش کی وجہ میں اختلاف کیا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: یہ اس اعتبار سے تھا کہ امور مملکت کی بجا آوری اس کا تقاضا کرتی تھی یہ آیت کا ظاہر معنی ہے۔ ایک جماعت نے کہا: آپ نے پرندوں کو تلاش کیا کیونکہ جب ہدہد غائب ہوا تو سورج کی شعاعیں اس جگہ سے آپ پر پڑھیں۔ پرندے کو طلب کرنے کا سبب یہی چیز تھی تاکہ یہ واضح ہو کہ سورج کی شعاع کہاں سے داخل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا: آپ نے ہدہد کو طلب فرمایا کیونکہ آپ کو پانی کی معرفت کی ضرورت پڑی تھی کہ وہ روئے زمین سے کتنا دور ہے، کیونکہ آپ نے ایسے جنگل میں پڑاؤ کیا تھا جہاں پانی نہیں تھا۔ اور ہدہد زمین کے ظاہر اور اس کے باطن کو دیکھ لیتا ہے۔ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو پانی کی جگہ پر آگاہ کرتا تھا پھر جن تھوڑے سے وقت میں اسے نکال لیتے تھے وہ روئے زمین کو یوں الگ کر لیتے جس طرح بکری سے چمڑا اتارا جاتا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جو حضرت ابن سلام سے مروی ہے۔ ابو مجلز نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عبداللہ بن سلام سے فرمایا میں تجھ سے تین مسائل پوچھنا چاہتا ہوں۔ حضرت ابن سلام نے کہا: تو مجھ سے سوال کرے گا جب کہ تو قرآن پڑھتا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ یہ تین دفعہ کہا۔ پوچھا: دوسرے پرندوں کو چھوڑ کر حضرت سلیمان نے ہدہد کا ہی کیوں پوچھا؟ جواب دیا: پانی کی ضرورت تھی آپ اس کی گہرائی کو نہیں جانتے تھے ہدہد دوسرے پرندوں کی بجائے اسے پہچانتا تھا اس لیے آپ نے اسے طلب فرمایا۔ نقاش کی کتاب میں کہا: ہدہد

مہندس تھا۔ روایت بیان کی گئی کہ نافع بن ازرق نے سنا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہدہد کا ذکر کر رہے ہیں تو عرض کی: اے علامہ! رک جایئے ہدہد زمین کے اندر کیسے دیکھ سکتا ہے جب کہ وہ پھندے کو نہیں دیکھ سکتا جب اس میں گرتا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب تقدیر آجاتی ہے تو آنکھ اندھی ہو جاتی ہے۔ مجاہد نے کہا: حضرت ابن عباس سے عرض کی گئی: ہدہد کو پرندوں میں سے کس لیے تلاش کیا گیا؟ فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام ایسی جگہ اترے جہاں وہ نہیں جانتے تھے کہ پانی کتنا دور ہے ہدہد پانی کے بارے میں آپ کی رہنمائی کرتا تھا۔ تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے پوچھنے کا ارادہ کیا۔ مجاہد نے کہا: میں نے کہا: وہ پانی تک کیسے ہدایت پا سکتا ہے جب کہ اس کے لیے پھندہ لگتا ہے تو وہ اس میں پھنس جاتا ہے؟ فرمایا: جب تقدیر آجاتی ہے تو آنکھ اندھی ہو جاتی ہے۔ ابن عربی نے کہا: اس جواب پر قرآن کا عالم ہی قادر ہو سکتا ہے۔

میں کہتا ہوں: نہیں یہ وہ جواب ہے جو ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو دیا جو پہلے گزر چکا ہے۔ یہ اشعار کہے گئے:

إذا أراد الله أمرًا بامرئٍ وكان ذا عقلٍ ورأيٍ ونظرْ
وحيلةٍ يعملها في دفعِ ما يأتي بِهِ مكروهُ أسبابِ القَدَرْ
غطّى عليه سمعه و عقلَه وسلَّه من ذهنه سلَّ الشَّعَرْ
حتى إذا أنفذ فيه حكمه ردّ عليه عقلَه ليعتبرْ

جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کے ساتھ کسی امر کا ارادہ کرتا ہے جب کہ وہ بڑا عقل مند، اچھی نظر و فکر والا اور بڑے حیلے والا ہوتا ہے اسباب قدر جو مکروہات اس تک لاتے ہیں اس حیلہ کے دن وہ دفاع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی قوت سماعت اور عقل کو ڈھانپ لیتا ہے اور اس کے ذہن سے یوں نکال لیتا ہے جس طرح بال نکال لیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس میں اپنا قلم نافذ کر چکتا ہے تو اس پر اس کی عقل کو واپس کر دیتا ہے تاکہ عبرت حاصل کرے۔

کلبی نے کہا: آپ کے سفر میں صرف ایک ہی ہدہد تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ امام کو اپنی رعیت کے احوال کی چھان بین اور اس پر نگاہ رکھنی چاہیے ہدہد کو دیکھو وہ چھوٹا سا پرندہ تھا پھر بھی اس کا حال حضرت سلیمان علیہ السلام پر مخفی نہ رہا، تو ملک کی بڑی بڑی چیزیں مخفی رہ سکتی تھیں؟ اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سیرت پر ہی تھے۔ آپ نے فرمایا: اگر فرات کے کنارے ایک میمنہ کو بھیڑیا پکڑ لے تو اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا، تو تیرا ان والیوں کے بارے میں کیا گمان ہے جن کے ہاتھوں سے شہر دشمنوں کے قبضہ میں چلے جاتے ہیں رعیت ضائع ہوتی ہے اور نگہبان ضائع ہوتے ہیں۔

صحیح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب شام کی طرف نکلے یہاں تک کہ جب وہ سرغ (وادی تبوک کا ایک دیہات) کے مقام پر تھے تو اجناد کے امراء آپ سے ملے ان میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح امین الامۃ اور آپ کے اصحاب بھی تھے انہوں نے عرض کی: شام کے علاقہ میں وباء پھوٹ پڑی ہے ہمارے علماء نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ دورہ بیت المقدس کی فتح کے بعد سن سترہ ہجری میں ہوا تھا جس طرح خلیفہ بن خیاط نے ذکر کیا ہے۔

حضرت عمر بنائنہ خود اپنی رعیت اور امراء کے احوال کی چھان بین کیا کرتے تھے۔ قرآن اور سنت اس پر دال ہے اور دونوں نے واضح کیا کہ امام پر اپنی رعیت کے احوال کے حوالہ سے یہ واجب ہے اور یہ فریضہ اسے بنفس نفیس ادا کرنا چاہیے اور اس کے لیے سفر کرنا چاہیے اگر چہ وہ طویل ہو۔ اللہ تعالیٰ ابن مبارک پر رحم فرمائے جب انہوں نے کہا:

وهل أفسدَ الدينَ إلّا الملوكُ وأحبارُ سوءٍ و رهبانُها

دین کو بادشاہوں، برے علماء اور برے عبادت گزاروں نے فاسد کیا۔

مسئلہ نمبر 3۔ مَالِیَ لَاۤ اَرَی الْهُدْهُدَ ہد ہد کو کیا ہو گیا ہے میں اسے نہیں دیکھتا؟ یہ کلام اس قلب کے قاعدہ سے تعلق رکھتی ہے جس کا معنی معروف نہیں۔ یہ تیرے اس قول کی طرح ہے: مالی اراک کئیبا یعنی تجھے کیا ہو گیا ہے میں تجھے غمگین دیکھتا ہوں؟ ہد ہد معروف پرندہ ہے ھدھد تہ صوتہ میں نے اس کی آواز نکالی۔ ابن عطیہ نے کہا: کلام کا مقصد یہ تھا کہ ہد ہد غائب ہے لیکن لازم کا ذکر کیا وہ یہ ہے کہ میں اسے نہیں دیکھتا۔ تو لازم پر آگاہی حاصل کرنے کے لیے سوال کیا۔ یہ ایجاز کی ایک قسم ہے۔ مالی میں جو استفہام ہے اس ہمزہ کے قائم مقام ہے ام جس کا محتاج ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرمایا مَالِیَ لَاۤ اَرَی الْهُدْهُدَ اپنے نفس کی حالت کا اعتبار کیا کیونکہ آپ کو علم تھا کہ آپ کو عظیم ملک دیا گیا ہے تمام مخلوق آپ کے لیے مسخر کر دی گئی ہے۔ اور آپ پر حق شکر لازم ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ طاعت اختیار کریں اور عدل کو دوام بخشیں۔ جب آپ نے ہد ہد کی نعمت کو مفقود پایا تو خوف ہوا کہ آپ نے حق شکر میں کمی کی ہے۔ اسی وجہ سے وہ نعمت طلب کی گئی ہے تو آپ اسے تلاش کرنے لگے۔ فرمایا: مَالِیَ۔ ابن عربی نے کہا: یہ وہ عمل ہے جو صوفیاء کے شیوخ کرتے ہیں جب وہ اپنی کسی چیز کو گم پاتے ہیں تو وہ اپنے اعمال کی چھان بین کرتے ہیں۔ یہ آداب میں ہے تو ہمارا کیا حال ہوگا کہ ہم فرائض میں بھی کوتاہی کرتے ہیں۔

ابن کثیر، ابن محیصن، عاصم، کسائی، ہشام اور ایوب نے مالی یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا۔ اسی طرح سورۂ یسین میں ہے وَمَالِیَ لَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ (یسین: 22) حمزہ اور یعقوب نے اسے ساکن پڑھا ہے۔ باقی مدینہ طیبہ کے قراء اور ابو عمرو نے سورۂ یسین میں یاء کے فتحہ اور یہاں سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عمرو نے کہا: سورۂ نمل میں یہ استفہام ہے اور دوسری جگہ یہ نافیہ ہے۔ ابو حاتم اور ابو عبیدہ نے اسکان کو پسند کیا ہے فقال مالی۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: ایک قوم نے گمان کیا [illegible] نے ارادہ کیا کہ وہ ابتدا اور جو ماقبل پر معطوف ہے ان میں فرق کریں۔ یہ کوئی چیز نہیں۔ یہ یاء نفس ہے [illegible] میں سے کچھ اسے فتحہ دیتے ہیں اور ان میں سے کچھ اسے ساکن رکھتے ہیں۔ انہوں نے دونوں لغتوں کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔ یاء نفس میں فصیح لغت یہ ہے کہ وہ مفتوح ہو کیونکہ وہ اسم ہے اور یہ حرف واحد پر ہے پسندیدہ یہ ہے کہ اس کو ساکن رکھا جائے کہ اسم میں اجحاف ہو۔ اَمْ کَانَ مِنَ الْغَآىِٕبِیْنَ ام، بل کے معنی میں ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا اَوْ لَاۡاَذْبَحَنَّهٗۤ اس میں یہ دلیل ہے کہ حد گناہ کے اعتبار سے ہوگی جسم کے اعتبار سے نہ ہوگی، مگر بعض اوقات جس پر حد جاری کی جارہی ہوتی ہے زمانہ اور صفت کے اعتبار سے نرمی کی جاتی ہے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور ابن جریج سے مروی ہے کہ پرندے کو عذاب دینے سے مراد یہ ہے کہ اس کے پر اکھاڑ دیئے جائیں۔ ابن

جریج نے کہا: اس کے تمام پر۔ یزید بن رومان نے کہا: اس کے دونوں پر(1)۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کے ساتھ یہ معاملہ اس لیے کیا تا کہ نافرمانوں پر سختی کی جائے اور سزا دی جائے اس کی صورت یہ ہو کہ اس کی باری اور رتبہ میں کمی کر دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سب ان کے لیے مباح کیا تھا، جس طرح جانوروں اور پرندوں کو کھانے اور دوسرے منافع کے لیے ذبح کرنا مباح قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

نوادر الاصول میں ہے کہا: سلیمان بن حمید ابو ربیع ابادی، عون بن عمارہ سے وہ حسین جعفی سے وہ زبیر بن خریت سے وہ عکرمہ سے روایت نقل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہدہد سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی شر کو دور کر دیا کیونکہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والا تھا۔ اس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تعذیب سے مراد اس کو اس کی اضداد کے ساتھ ملا دینا ہے۔ بعض سے یہ بھی مروی ہے: قید خانوں میں سے سب سے سخت اضداد کے ساتھ ملا دینا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں اس پر لازم کروں گا کہ وہ اپنے ساتھیوں کی خدمت کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں اسے پنجرے میں بند کر دوں گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پر اکھیڑنے کے بعد اسے دھوپ میں چھوڑ دوں گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں اس کو اپنی خدمت سے خارج کر دوں گا۔ بادشاہ اپنی خدمت اور الفت سے محروم کر کے جدائی کے ساتھ لوگوں کو سزا دیتے یہ نون ثقیلہ کے ساتھ موکد ہے۔ یہ اسے ہی لازم ہوتا ہے یا خفیفہ کو بھی لاحق ہوتا ہے۔ ابو حاتم نے کہا: اگر اسے لأعذبنّه عذابا شديدًا اولأ ذبحنّه پڑھنا جائز ہو تو جائز ہے اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ واضح حجت کے ساتھ۔ لَيَاْتِيَنِّيْ میں لام قسمیہ نہیں کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہدہد کے فعل پر قسم اٹھانے والے نہیں تھے، لیکن جب یہ اس قول کے بعد آیا لَاُعَذِّبَنَّهٗ یہ ان چیزوں میں سے ہے جن میں قسم جائز ہوتی ہے تو اسے اس کے طریقہ پر جاری کیا۔ صرف ابن کثیر نے اسے لیاتیننی دونونوں کے ساتھ پڑھا ہے(2)۔

مسئلہ نمبر 5۔ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فعل کا فاعل ہدہد ہے۔ جمہور قراء کاف کو ضمہ دیتے ہیں صرف عاصم نے اسے فتحہ دیا ہے۔ دونوں قرائتوں میں اس کا معنی اقامہ ہے۔ سیبویہ نے کہا: مکث یمکث مکوثا جس طرح انہوں نے قعد یقعد قعودا کہا: مکث یہ ظرف کی مثل ہے۔ دوسرے قراء نے کہا: فتحہ اچھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ماکثین۔ یہ مَکَثَ سے مشتق ہے یوں باب ذکر کیا جاتا ہے مَكَثَ يَمْكُثُ فهو ماكثٌ۔ مَكُثَ يمكث جس طرح عَظُمَ يَعْظُمُ فهو مَكِيثٌ جس طرح عظیم ہے مَكَثَ يَمْكُثُ فهو ماكثٌ جس طرح حَمَضَ يَحْمُضُ فهو حامض۔ مَكَثَ میں جو ضمیر ہے اس میں احتمال ہے کہ یہ حضرت سلیمان کے لیے ہو معنی ہے حضرت سلیمان علیہ السلام طلب اور وعید کے بعد تھوڑی دیر رہے یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ہدہد کے لیے ہو؛ یہ اکثر کا قول ہے وہ آ گیا فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ یہی چھٹا مسئلہ ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ میں نے وہ امر جانا ہے جس کا آپ کو علم نہیں۔ اس میں اس کا رد ہے جو یہ کہتا ہے کہ انبیاء غیب (3) کو جانتے ہیں۔ فراء نے کہا: احط تاء کو طاء میں ادغام کیا۔ احتُّ حکایت بیان کی، طاء کو تاء سے بدلا اور اس میں ادغام کیا۔

مسئلہ نمبر 7۔ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کا بتایا جو حضرت سلیمان علیہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 255 2۔ ایضاً 3۔ اس کی توضیح حضرت مفسر مسئلہ نمبر نو میں خود کر رہے ہیں۔

السلام نہیں جانتے تھے اور اس کو عذاب اور ذبح کی جو دھمکی دی گئی اس کو اپنی ذات سے دور کیا۔ جمہور نے سبأ تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن کثیر اور ابو عمر نے سبأ ہمزہ پر فتحہ اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے (1)۔ پہلی تاویل کی صورت میں یہ ایک آدمی کا نام ہے جس کی طرف قوم کی نسبت کی گئی ہے۔ اسی تعبیر پر شاعر کا قول ہے:

الواردون وتیم فی ذُرَی سبأ　　قد عضّ أعناقَهُم جلدُ الجوامِیس (2)

وارد ہونے والے اور تیم سبا کی نسل میں ہیں ان کی گردنوں کو بھینسوں کی جلد نے کاٹا ہے۔

زجاج نے اس کا انکار کیا ہے کہ یہ کسی آدمی کا نام ہو۔ کہا: سبا شہر کا نام ہے جو مآرب کے نام سے معروف تھا جو یمن میں واقع ہے اس کے درمیان اور صنعاء کے درمیان تین دن کی مسافت ہے۔

میں کہتا ہوں: غزنوی کے عیون المعانی میں واقع ہے کہ تین میل کی مسافت ہے۔ قتادہ اور سدی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس بستی کی طرف بارہ انبیاء مبعوث فرمائے۔ اور نابغہ جعدی کا شعر پڑھا:

من سَبَأ الحاضِرین مَأرِبَ إذْ　　یَبْنُونَ من دون سَیْلِهِ العَرِمَا

سبا سے جو مآرب میں رہتے تھے جب وہ سیل عرم کی وجہ سے عمارتیں بناتے تھے۔

کہا: جو اسے تنوین نہیں دیتا اس نے کہا: یہ شہر کا نام ہے۔ جس نے اسے تنوین دی۔ اور یہ قول اکثر کا قول ہے کیونکہ یہ بلد کا نام ہے وہ مذکر ہوگا اس وجہ سے مذکر کا نام دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایک عورت کا نام تھا جس کی وجہ سے شہر کا نام رکھا گیا۔ صحیح یہ ہے کہ یہ ایک آدمی کا نام تھا۔ کتاب الترمذی میں فروہ بن مسیک مرادی کی حدیث سے ثابت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں ان شاء اللہ اس کا ذکر آئے گا۔ ابن عطیہ نے کہا: زجاج پر یہ حدیث مخفی رہی اس وجہ سے اس نے ٹامک ٹوئیاں کھائیں۔ فراء نے گمان کیا ہے کہ رواسی نے ابو عمرو بن علاء سے سبا کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا: میں نہیں جانتا وہ کیا ہے؟ نحاس نے کہا: فراء نے ابو عمرو پر تاویل کی ہے انہوں نے اسے تنوین سے روک دیا ہے کیونکہ وہ مجہول ہے، کیونکہ جب شے معروف نہ ہو تو وہ منصرف نہیں ہوتی۔ نحاس نے کہا: ابو عمرو اس قسم کا قول کرنے سے جلیل شان والا ہے۔

رواسی نے اس سے جو بیان کیا ہے کہ یہ اس امر کی دلیل نہیں کہ یہ غیر منصرف اس لیے ہے کیونکہ وہ اسے نہیں پہچانتے تھے انہوں نے کہا: میں اسے نہیں پہچانتا، اگر کسی نحوی سے یہ پوچھا جائے تو وہ کہہ دے، میں اسے نہیں پہچانتا تو اس میں اس کی دلیل نہیں کہ یہ غیر منصرف ہے بلکہ حق اس کے علاوہ ہے ضروری ہے کہ جب وہ اسے نہیں پہچانتا تو اسے تنوین دے کیونکہ اسماء میں اصل ان کا منصرف ہونا ہے۔ شے کو تنوین سے روکا جاتا ہے کسی ایسی علت کی وجہ سے جو اس پر داخل ہوتی ہے۔ اصل یقینی طور پر ثابت ہے تو جو معروف نہ ہو وہ اس کے ساتھ زائل نہیں ہوتا اور نحویوں سے کثیر کلام ذکر کی ہے اس کے آخر میں کہا: سبا کے بارے جو بات معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ اصل میں آدمی کا اسم ہے اگر تو اس کو تنوین دے تو یہ اس لیے کیونکہ یہ قبیلہ کا نام ہے اگر تو اس کو تنوین نہ دے تو تو اسے قبیلہ کا نام قرار دے گا جس طرح ثمود ہے مگر سیبویہ کے نزدیک تنوین اور منصرف ہے اس میں اس کی دلیل

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 255　　2۔ ایضاً

قطعی ہے کیونکہ جب یہ ایسا اسم ہے جو مذکر اور مونث دونوں طرح آسکتا ہے تو مذکر اولیٰ ہے کیونکہ یہی اصل اور زیادہ خفیف ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ آیت میں دلیل ہے کہ چھوٹا بڑے سے کہتا ہے متعلم، عالم سے کہتا ہے: عندی ما لیس عندك میرے پاس وہ ہے جو تیرے پاس نہیں ہے۔ جب یہ چیز اس پر واضح ہو گئی اور اس کو اس کا یقین ہو گیا۔ یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں اپنی جلالت شان اور علم کے باوجود اجازت طلب کرنے والے حکم سے آگاہ نہیں تھے۔ تیمم کا علم حضرت عمارہ وغیرہ کے پاس تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس نہیں تھا۔ دونوں صحابہ نے کہا: جنبی تیمم نہیں کرے گا۔ بالغہ عورت کے بارے میں اذن کا حکم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تھا اور حضرت مسور بن مخرمہ پر مخفی تھا۔ اس کی کثیر امثلہ ہیں اس وجہ سے اس کے ساتھ اس بحث کو طویل نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 9۔ اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ جب ہد ہد نے کہا: جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: اس کی کیا خبر ہے؟ اس نے عرض کی: اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ مراد بلقیس بنت شراحیل ہے جو اہل سبا کی ملکہ تھی۔ یہ سوال کیا جاتا ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام پر اس کا مکان کیسے مخفی رہا جب کہ آپ کے پڑاؤ اور اس کے شہر کے درمیان فاصلہ بہت تھوڑا تھا؟ یہ صنعاء اور مآرب کے درمیان تین دن یا تین میل کی مسافت تھی۔ اس کا جواب یہ ہے اللہ تعالیٰ نے کسی مصلحت کی وجہ سے اسے مخفی رکھا جس طرح حضرت یوسف کا مکان حضرت یعقوب پر مخفی رکھا۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ اس کے آباء میں سے ایک جن تھا۔ ابن عربی نے کہا: یہ ایسا امر ہے جس کا ملحد انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: جن نہ کھاتے ہیں اور نہ ان کے ہاں ولادت ہوتی ہے۔ انہوں نے جھوٹ بولا اللہ تعالیٰ ان سب پر لعنت فرمائے۔ یہ صحیح ہے ان کا نکاح عقلاً جائز ہے اگر نقلاً صحیح ثابت ہو جائے تو یہ کتنی اچھی بات ہے۔

میں کہتا ہوں: ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے۔ جنوں کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا انہوں نے عرض کی: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی امت کو منع کریں کہ وہ ہڈی، لید اور جمجم (سر کی کھوپڑی، لکڑی کا پیالہ) سے استنجاء نہ کریں، اللہ تعالیٰ نے ان میں ہمارے لیے رزق بنایا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے "ہر وہ ہڈی جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو وہ تمہارے ہاتھ لگے گی تو اس پر وافر گوشت ہو گا اور ہر لید کا دانہ تمہاری سواریوں کے لیے چارہ ہو گا"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ان دونوں کے ساتھ استنجاء نہ کرو کیونکہ یہ تمہارے جن بھائیوں کا کھانا ہے" (1)۔ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے میں نے عرض کی: یہ ہڈی اور لید کا کیا معاملہ ہے؟ فرمایا: "یہ جنوں کا کھانا ہے میرے پاس نصیبین کے جنوں کا وفد آیا وہ کتنے اچھے جن تھے انہوں نے مجھ سے زادِ راہ کا سوال کیا، میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ کسی ہڈی اور لید پر نہ گزریں مگر اس پر کھانا پائیں" (2)۔ یہ سب روایات اس میں نص ہیں کہ وہ کھاتے ہیں۔ جہاں تک ان کے نکاح کا تعلق ہے وَشَارِكْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (اسراء: 64) کے ضمن میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وہب بن جریر

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الجہر بالقرأۃ، جلد 1، صفحہ 184

2۔ صحیح بخاری، کتاب بنیان الکعبہ، باب ذکر الجن وقول اللہ تعالیٰ قل اوحی الی انہ، جلد 1، صفحہ 544

بن حازم، خلیل بن احمد سے وہ عثمان بن حاضر سے روایت نقل کرتے ہیں کہ بلقیس کی ماں جنوں میں سے تھی جسے بلعم بنت شیعان کہا جاتا تھا اس کے بارے میں مزید گفتگو ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

مسئلہ نمبر 10۔ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنایا ہے فرمایا: لن یفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة وہ قوم فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنے امور عورت کے سپرد کر دیے (1)۔ قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا: یہ اس امر میں نص ہے کہ عورت خلیفہ نہ ہو اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ محمد بن جریر طبری سے مروی ہے کہ یہ جائز ہے کہ عورت قاضی ہو ان سے یہ قول ثابت نہیں۔ شاید ان سے یہ قول اسی طرح منقول ہے جس طرح امام ابو حنیفہ سے منقول ہے کہ وہ ان امور میں فیصلہ کر سکتی ہے جن میں وہ گواہی دے سکتی ہے وہ علی الاطلاق قاضی نہیں بن سکتی اور نہ اس کے لیے یہ لکھا جائے کہ فلانہ حکم پر مقدم ہے اس کا سبیل تحکیم اور قضیہ واحدہ میں نائب بنانا ہے یہی وہ گمان ہے جو امام ابو حنیفہ اور ابن جریر کے بارے میں ہے۔ حضرت عمر سے مروی ہے کہ آپ نے ایک عورت کو بازار کی نگرانی پر مقرر کیا۔ یہ ثابت نہیں تم اس کی طرف متوجہ نہ ہو یہ احادیث میں بدعت جاری کرنے والوں کے وساوس ہیں۔

اس مسئلہ میں قاضی ابو بکر بن طیب مالکی اشعری نے ابو الفرج بن طرار شیخ شافعیہ کے ساتھ مناظرہ کیا ابو الفرج نے کہا: اس امر پر دلیل کہ عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ فیصلہ کرے وہ یہ ہے احکام سے غرض یہ ہے کہ قاضی ان کو نافذ کرے، اس پر گواہوں کو سنے، جھگڑا کرنے والوں کے درمیان فیصلہ کرے یہ عورت کی طرف سے بھی اسی طرح ممکن ہے جس طرح مرد کی جانب سے ممکن ہے۔ قاضی ابو بکر نے اس پر اعتراض کیا اور امامت کبریٰ سے ان کے کلام میں نقض پیش کیا کیونکہ اس سے غرض سرحدوں کی حفاظت ہے امور کی تدبیر ہے، خراج کی وصولی ہے اور اسے مستحقین کی طرف لوٹانا ہے۔ یہ فرائض جس طرح مرد سے واقع ہوتے ہیں عورت سے واقع نہیں ہوتے۔ ابن عربی نے کہا: اس مسئلہ میں شیخین کا کلام کوئی چیز نہیں عورت کے لیے مجلس میں آنا ممکن نہیں ہوتا، وہ مردوں سے میل جول نہیں رکھ سکتی اور ہم پلہ ہم پلہ کے ساتھ جو معاملہ کرتا ہے وہ ایسا نہیں کر سکتی کیونکہ اگر وہ نوجوان ہوگی تو مرد کا اس کی طرف دیکھنا اور کلام کرنا حرام ہوگا۔ اگر وہ پکی عمر کی ہو مرد اس کے ساتھ اکٹھے نہیں بیٹھ سکتا۔ مردوں کی مجلس ایک ہوتی ہے وہ ان کے ساتھ بھیڑ کرے گی اور وہ ان کی طرف دیکھے گی جو آدمی اس قسم کا تصور رکھے وہ فلاح نہیں پا سکتا اور نہ وہ جو اس قسم کا اعتقاد رکھتا ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ وَ اُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ یہ کلام مبالغہ کے طور پر ہے یعنی مملکت جس کی محتاج ہوتی ہے وہ سب مجھے حاصل ہے اوتیت من کل شی فی زمانها شیئا، تو مفعول کو حذف کر دیا گیا، کیونکہ کلام اس پر دال ہے، وَلَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ عرش سے مراد سریر (تخت) ہے اس کی عظیم سے جو صفت لگائی گئی ہے وہ ہیئت اور سلطان کے رتبہ کے لحاظ سے ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا: یہ سونے کا تخت تھا جس پر وہ بیٹھا کرتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں عرش سے مراد ملک ہے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا اگر تو کہے: ہدہد نے کیسے بلقیس کے عرش اور اللہ تعالیٰ کے

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی کسری و قیصر، جلد 2، صفحہ 637

عرش میں عظیم کے ساتھ صفت لگا کر برابری کی ہے؟ میں کہوں گا: دونوں وصفوں میں بہت ہی دوری ہے کیونکہ ملکہ بلقیس کے عرش کی عظمت اس مناسبت سے ہے جو اسی جیسے بادشاہ بناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عرش کی عظمت ان چیزوں کے اعتبار سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں جیسے آسمان اور زمین۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کے عرش کی لمبائی اسی ہاتھ تھی اور اس کی چوڑائی چالیس ہاتھ تھی اور اونچائی تیس ہاتھ تھی، جس پر موتیوں، سرخ یاقوت اور سبز زبرجد کا تاج تھا۔ قتادہ نے کہا: اس کے پائے موتیوں اور جواہرات کے تھے اس پر دیباج (ریشم کی ایک قسم) اور حریر کے پردے تھے، اس کے سات تالے تھے۔ مقاتل نے کہا: وہ اسی ہاتھ لمبا اور اسی ہاتھ چوڑا تھا اس کی اونچائی اسی ہاتھ تھی اس پر جواہرات جڑے تھے۔ ابن اسحاق نے کہا: عورتیں اس کی خدمت گار تھیں اس کی خدمت کے لیے چھ سو عورتیں تھیں۔ ابن عطیہ نے کہا: آیت سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ ایک ایسی عورت تھی جو یمن کے شہروں کی ملکہ تھی اس کا عظیم ملک اور عظیم تخت تھا۔ وہ کافر قوم کی ایک کافر عورت تھی (1)۔

مسئلہ نمبر 12۔ وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امت ان لوگوں میں سے تھی جو سورج کی پوجا کرتے ہیں جس طرح روایت کی گئی ہے وہ زنادقہ تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مجوسی تھے وہ انوار کی عبادت کیا کرتے تھے۔ نافع سے مروی ہے کہ وقف عرش پر ہوگا۔ مہدوی نے کہا: اس تعبیر کی بنا پر عظیم ما بعد کے متعلق ہوگا اس تعبیر کی بنا پر یہ مناسب ہوگا کہ تقدیر کلام یوں ہو عظیم ان وجدتها یعنی عظیم وجودی ایاها کافرة۔ ابن انباری نے کہا: وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ اس پر وقف اچھا ہے عرش پر وقف جائز نہیں اور عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا سے ابتدا جائز نہیں مگر جو فتحہ دے کیونکہ عظیم عرش کی صفت ہے اگر یہ وجدت کے متعلق ہوتو کہتا: عظیمة وجدتها یہ ہر اعتبار سے محال ہے۔ ابوبکر محمد بن حسین بن شہریار، ابو عبد اللہ حسین بن اسود عجلی سے وہ بعض اہل علم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ عرش پر وقت اور عظیم سے ابتدا اس معنی کی بنا پر ہوگی ان کا سورج اور چاند کی عبادت کرنا عظیم ہے۔ کہا: میں نے اس کو کہتے ہوئے سنا جو اس مذہب کی تائید کرتا ہے اور اللہ اللہ کرتا ہے کہ اس کا عرش اس سے حقیر اور دقیق تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی صفت عظیم سے لگاتا۔ انباری نے کہا: میرے نزدیک پسندیدہ وہ ہے جس کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے کیونکہ سورج اور چاند کی عبادت کے مضمر ہونے پر کوئی دلیل نہیں اور یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی صفت عظیم سے لگائے کیونکہ اس نے اسے طول اور عرض میں متناہی حد کو دیکھا۔ عرش کے اعراب پر اس کا جاری ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ اس کی نعت ہے۔

وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ یعنی ان میں جو کفر تھا اسے مزین کیا فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ توحید کے راستہ سے انہیں روکا اور اس امر کو واضح کیا کہ جو توحید کا راستہ نہیں وہ ایسا راستہ نہیں جس سے یقینی طور پر نفع حاصل کیا جائے۔ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ وہ اللہ تعالیٰ اور توحید کی طرف ہدایت پانے والے نہیں۔

مسئلہ نمبر 13۔ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ ابو عمرو، نافع، عاصم اور حمزہ نے الا یسجدوا للہ، الا کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے الا کو شد دی ہے اس کے نزدیک فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ مکمل کلام نہیں کیونکہ معنی ہے شیطان نے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 256

ان کے لیے مزین کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کریں۔ نحاس نے کہا: یہ ان ہے جو لا پر داخل ہوا ہے ان محل نصب میں ہے۔ اخفش نے کہا: اسے زین نے نصب دی ہے تقدیر کلام یہ ہوگی زین لھم لئلا یسجدوا۔ کسائی نے کہا: صدھم نے اسے نصب دی ہے تقدیر کلام یہ ہوگی فصدھم الا یسجدوا دونوں صورتوں میں مفعول لہ ہے۔ یزیدی اور علی بن سلیمان نے کہا: ان، اعمالھم سے بدل ہے یہ محل نصب میں ہے۔ ابو عمرو نے کہا: ان محل جر میں ہے جو السبیل سے بدل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں عامل لا یھتدون ہے تقدیر کلام یہ ہوگی فھم لا یھتدون أن یسجدوا اللہ یعنی وہ نہیں جانتے کہ یہ ان پر واجب تھا۔ اس قول کی بنا پر لا زائدہ ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ (الاعراف: 12) یعنی تجھے کس نے سجدہ کرنے سے منع کیا؟ اس قراءت کی بنا پر یہ سجدہ کی جگہ نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ ان کے سجدہ ترک کرنے کی خبر ہے، خواہ وہ تزئین، روکنے اور ہدایت پانے سے رکنے کی صورت میں ہو۔ زہری، کسائی وغیرہما نے پڑھا الا یسجدوا اللہ معنی ہے خبردار اے لوگو! تم سجدہ کرو کیونکہ یا حرف ندا کے ساتھ اسماء کو ندا کی جاتی ہے افعال کو ندا نہیں کی جاتی۔ سیبویہ نے یہ شعر پڑھا:

یا لعنةُ اللهِ والأقوامِ كلِّهِمُ ۔۔۔ والصّالحين على سِمْعَانَ من جَارِ

سیبویہ نے کہا: یا حرف ندا لعنت کے لیے نہیں کیونکہ اگر اس کا منادی لعنة ہوتا تو حرف ندا اس کو نصب دیتا کیونکہ یہ منادی مضاف ہوتا، لیکن اس کی تقدیر کلام یہ ہے یا ھولاء لعنة اللہ والأقوام علی سمعان۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ اور تمام اقوام کی سمعان پر لعنت ہو۔ بعض علماء نے عربوں سے اپنے سماع کو بیان کیا ہے ألا یا ارحموا ألا اصدقوا۔ وہ اس سے یہ مراد لیتے ہیں خبردار اے قوم! تم رحم کرو تم سچ بولو۔ اس قراءت کی بنا پر اسجدوا امر کی وجہ سے مجزوم ہے اور وقف الا یا پر ہوگا پھر تو نئے سرے سے کلام کرے گا اور تو کہے گا: اسجدوا، کسائی نے کہا: میں شیوخ کو امر کے ارادہ سے تخفیف کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا تھا عبداللہ کی قراءت میں ہے الا ھل تسجدون للہ یعنی تاء اور نون ہے۔ ابی کی قراءت میں الا تسجدون للہ یہ دونوں قرائتیں اس کے لیے حجت ہیں جو تخفیف کرتا ہے۔ زجاج نے کہا: تخفیف کی قراءت سجدہ کے وجوب کا تقاضا کرتی ہے تشدید سجدہ کا تقاضا نہیں کرتی۔ کہا تخفیف بہت اچھی توجیہ ہے مگر اس میں خبر سبا کے امر سے منقطع ہو جاتی ہے پھر اس کے بعد ان کے ذکر کی طرف رجوع کیا۔ تشدید کے ساتھ قراءت ایسی خبر ہے جس کا بعض بعض کے تابع ہے اس کے وسط میں کوئی انقطاع نہیں اس کی مثل نحاس نے کہا: تخفیف کے ساتھ قراءت بعید ہے کیونکہ کلام جملہ معترضہ بن جائے گی اور تشدید کے ساتھ قراءت متسق ہو جائے گی، نیز جو مسودات ہیں وہ اس قراءت کے علاوہ ہیں کیونکہ اس سے دو الف حذف ہیں۔ اس کی مثل کو ایک الف کے حذف کے ساتھ اختصار کیا جاتا ہے، جس طرح یا عیسی بن مریم۔ ابن انباری نے کہا: اسجدوا کا الف ساقط ہو گیا جس طرح یہ ساقط ہو جاتا ہے ان کے ساتھ جب ظاہر ہو۔ جب یا کا الف ساقط ہو گیا تو اسجدوا کا الف متصل ہو گیا تو وہ گر گیا اس کا سقوط اختصار پر دلالت کرنے والا شمار ہوا اور اس پر ترجیح دینے کے لیے شمار ہوا جو تخفیف کا قائل ہے اور الفاظ کی کمی کا قائل ہے۔ جوہری نے اپنی کتاب کے آخر میں کہا: بعض نے کہا اس جگہ یا یہ تنبیہ کے لیے ہے گویا فرمایا ألا اسجدوا للہ جب اس پر یا تنبیہ کے لیے داخل کی گئی تو اسجدوا میں جو الف تھا وہ ساقط ہو گیا کیونکہ یہ الف وصل ہے اور یا میں جو الف تھا وہ

اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہو گیا کیونکہ یہ اور سین دونوں ساکن ہیں۔ ذو رمہ نے کہا:

أَلَا يَا اسْلَمِي يَا دَارَ مَيَّ عَلَى الْبِلَى　وَلَا زَالَ مُنْهَلًّا بِجَرْعَائِكِ الْقَطْرُ(1)

محل استدلال اسلمی کا ہمزہ ہے۔

جرجانی نے کہا: یہ کلام معترضہ ہو، ہدہد کی جانب سے ہو، حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانب سے ہو یا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو، یعنی أَلَا يَسْجُدُوا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَغْفِرُوا لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللَّهِ (الجاثیہ: 14) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امر ہے یعنی بخشش طلب کرو۔ اسی پر مصحف کی کتابت منتظم ہے یعنی یہاں ندا نہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: العظیم تک ہدہد کا کلام ہے یہ ابن زید اور ابن اسحاق کا قول ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ تو مخاطب ہی نہیں تو وہ شرع کے معنی میں کیسے گفتگو کر سکتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول ہو جب ہدہد نے آپ کو اس قوم کی خبر دی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہو یہ دو کلاموں کے درمیان جملہ معترضہ ہو گا یہ تامل کے ساتھ ثابت ہے۔ الا میں تشدید کے ساتھ قراءت یہ معنی دیتی ہے کہ کلام ہدہد کا ہے اور تخفیف کی قراءت اس سے مانع ہے۔ تخفیف کی قراءت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کا امر ہے یہ تقاضا اس امر کی وجہ سے ہے جس کو ہم نے بیان کیا ہے۔ زمخشری نے کہا: اگر تو سوال کرے کیا سجدہ تلاوت دونوں قراءتوں میں واجب ہے یا ایک قراءت میں واجب ہے؟ میں کہوں گا: دونوں قراءتوں میں واجب ہے کیونکہ سجدہ کے جتنے بھی مواضع ہیں یا تو ان کا امر ہے یا ان لوگوں کی مدح ہے جو سجدہ کرتے ہیں یا جو اسے ترک کرے اس کی مذمت ہے دونوں قراءتوں میں سے ایک سجدہ کا امر ہے اور دوسری تارک کے لیے مذمت ہے۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں خبر دی کہ وہ سجدہ نہیں کرتے جس طرح سورۂ انشقاق میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سجدہ کیا، جس طرح بخاری اور دوسری کتب میں ثابت ہے۔ اسی طرح سورۂ نمل کا مسئلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ بہتر جانتا ہے۔ زمخشری نے کہا: زجاج نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ تخفیف کی صورت میں سجدہ واجب ہے اور تشدید کی صورت میں واجب نہیں تو اس کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا۔

الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ خبء السماء سے مراد اس کے قطرات ہیں اور خبء الارض سے مراد اس کے خزانے اور نباتات ہیں۔ قتادہ نے کہا: خبء سے مراد راز ہے۔ نحاس نے کہا: یہ مروی ہے، یعنی جو آسمانوں اور زمین میں غائب ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان: مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ دلالت کرتا ہے۔ عکرمہ اور مالک بن دینار نے کہا: الخب باء کے فتحہ کے ساتھ اور ہمزہ کے بغیر ہے۔ مہدوی نے کہا: یہ تخفیف قیاسی ہے اور جو وقف کی صورت میں ہمزہ کو ترک کر دیتا ہے اس کا ذکر ہے۔ نحاس نے کہا: ابو حاتم نے حکایت بیان کی ہے کہ عکرمہ نے الذی یخرج الخبا پڑھا یعنی ہمزہ کے بغیر الف کے ساتھ اور گمان کیا کہ یہ لغت عرب میں جائز نہیں علت یہ بیان کی کہ اگر ہمزہ میں تخفیف کی جائے تو اس کی حرکت باء کو دی جاتی ہے تو کہا: الخب فی السموات والارض اگر ہمزہ میں تحویل کی جائے تو الخبی باء ساکن اور اس کے بعد یاء ہو گی۔ نحاس نے کہا: پس علی بن سلیمان

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 256

کو کہتے ہوئے سنا وہ محمد بن یزید سے بیان کرتے ہیں کہ ابوحاتم نحو میں اپنے ساتھیوں سے مرتبہ میں کم تھے وہ ان کے مرتبہ کو لاحق نہیں ہوتے تھے، مگر جب وہ اپنے شہر سے نکلے تو ان سے بڑا عالم نہ پایا گیا۔

سیبویہ نے عربوں سے حکایت بیان کی ہے کہ وہ ہمزہ کو الف سے بدل دیتے ہیں جب اس کا ماقبل ساکن ہو اور وہ خود مفتوح ہو، اسے واؤ سے بدل دیا جاتا ہے۔ جب اس کا ماقبل ساکن ہو اور وہ خود مضموم ہو، اسے یاء سے بدل دیا جاتا ہے جب اس کا ماقبل ساکن ہو اور وہ خود مکسور ہو۔ تو کہتا ہے: هذا الوَثْوُ، عجبت من الوَثْيِ، رأيت الوَثَا۔ یہ وثئت یدہ سے مشتق ہے اس طرح یہ ہے هذا الخَبْوُ، عجبت من الخَبْيِ، رأيت الخَبَا۔ یہ اس لیے کیا گیا کیونکہ ہمزہ خفیف ہے۔ ہمزہ کو ان حروف سے بدل دیا جاتا ہے۔ سیبویہ نے بنی تمیم اور بنی اسد سے یہ روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں: هذا الخبوُ جب ہمزہ مضموم ہو تو وہ ساکن کو ضمہ دیتے ہیں۔ وہ ہمزہ کو ثابت رکھتے ہیں اور ساکن کو کسرہ دیتے ہیں جب ہمزہ مکسور ہو، جب ہمزہ مفتوح ہو تو ساکن کو فتحہ دیتے ہیں۔ سیبویہ نے یہ حکایت بھی کی ہے وہ کسرہ دیتے ہیں اگرچہ ہمزہ مضموم ہو مگر یہ بنی تمیم سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: الرِّدِیُ اس نے گمان کیا ہے وہ دال کو ضمہ نہیں دیتے کیونکہ وہ اس ضمہ کو ناپسند کرتے ہیں جس سے قبل کسرہ ہو کیونکہ کلام میں کوئی فِعُل نہیں یہ سب قراءتیں اس لغت پر داخل ہیں جنہیں جماعت نے پڑھا ہے۔ عبداللہ کی قراءت میں الذی یخرج الخبا من السموات ہے من اور فی ایک دوسرے کی جگہ آتے رہتے ہیں عرب کہتے ہیں: لاستخرجن العلم فیکم اس سے وہ منکم مراد لیتے ہیں؛ یہ فراء کا قول ہے۔

وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ دونوں میں عام قراءت یاء کے ساتھ ہے۔ یہ قراءت یہ معنی دیتی ہے کہ کلام ہدہد کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے توحید کی معرفت، اس کی بارگاہ میں سجدہ کے وجوب، وہ سورج کو جو سجدہ کرتے اس کا انکار، اس کی شیطان کی طرف اضافت اور شیطان کا ان کے لیے اس امر کو مزین کرنا ان سب چیزوں کی معرفت کے لیے ہدہد کو خاص کیا۔ جس طرح اس نے دوسرے پرندوں اور حیوانوں کو لطیف معارف کے لیے خاص کیا جہاں تک ترجیح پانے والے عقول رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ جحدری، عیسیٰ بن عمر، حفص اور کسائی نے تخفون اور تعلنون پڑھا ہے یہ تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ ہے۔ یہ قراءت یہ معنی دیتی ہے کہ آیت اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو خطاب ہے۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ابن محیصن نے العظیم پڑھا ہے مرفوع ہے لفظ اللّٰهُ اسم جلالت کی صفت ہے۔ باقی قراء نے مجرور پڑھا ہے یہ **الْعَرْشِ** کی صفت ہے رب کا خصوصاً ذکر فرمایا کیونکہ مخلوقات میں سے عظیم ہے اس کے علاوہ اس کے ضمن میں اور اس کے قبضہ میں ہیں۔

مسئلہ نمبر 14۔ سَنَنْظُرُ یہ اس نظر سے مشتق ہے جس کا معنی غور و فکر کرنا ہے۔ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ کیا تو اپنی بات میں سچا ہے یا جھوٹا ہے كُنْتَ یہ انت کے معنی میں ہے کہا: سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ یہ نہیں کہا: سننظر فی امرک کیونکہ جب ہدہد نے علم میں فخر کی تصریح کر دی اَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے اس قول کے ساتھ تصریح کی سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ اس نے جو کہا تھا یہ اس کے لیے کافی ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 15۔ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ یہ اس امر پر دلیل ہے کہ امام پر واجب ہے کہ وہ اپنی رعیت کا عذر قبول کرے اور ان کے باغی عذروں کی وجہ سے ان کے ظاہر احوال میں جو عقوبت واقع ہو رہی تھی اس کو ختم کرے، کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو کوئی سزا نہ دی جب اس نے معذرت پیش کی کیونکہ ہدہد کا صدق عذر بن گیا کیونکہ اس نے اس امر کی خبر دی جو جہاد کا تقاضا کرتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جہاد سے محبت کرتے تھے۔ صحیح میں ہے ''اللہ کی ذات سے بڑھ کر کوئی بھی معذرت سے محبت کرنے والا نہیں اس وجہ سے اس نے کتاب کو نازل کیا اور رسولوں کو بھیجا'' (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نعمان بن عدی کا عذر قبول کیا اور اسے سزا نہ دی۔ لیکن امام کو حق حاصل ہے کہ وہ خوب چھان بین کرے جب اس کے ساتھ کوئی حکم شرعی بھی متعلق ہو۔ جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کیونکہ جب ہدہد نے آپ کی خدمت میں عرض کی: اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّ لَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ۝ آپ کی طمع نہ بھڑکی اور نہ ملک میں زیادتی کی محبت آپ کو اس طرف لے گئی کہ آپ اس سے تعرض کریں، یہاں تک کہ ہدہد نے کہا: وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ جب یہ سنا تو اس وقت غصے میں ہوئے اور جو اس نے خبر دی اس کی تہہ تک پہنچنے کا فیصلہ کیا اور جو امور ابھی تک غیب تھے ان کو حاصل کرنا چاہا۔ فرمایا: سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ اس کی مثل وہ روایت ہے جس کو حضرت مسور بن مخرمہ نے روایت کیا ہے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے املاص المرأۃ میں مشورہ کیا۔ املاص المرأۃ سے مراد وہ عورت ہے جس کے پیٹ پر ضرب لگائی جاتی ہے تو وہ اپنا مکمل بچہ پھینک دیتی ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے کہا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے غلام یا لونڈی کے غرہ (چھوٹا غلام) کا فیصلہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ آدمی لاؤ جو تیرے حق میں گواہی دے۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے ان کے حق میں گواہی دی۔ ایک روایت میں ہے: تو یہاں سے نہیں جا سکتا یہاں تک اس سے نکلنے کی کوئی راہ پائے۔ میں نکلا تو میں نے حضرت محمد بن مسلمہ کو پایا میں انہیں لے آیا تو انہوں نے گواہی دی۔ اس کی مثل اجازت طلب کرنے کے حوالے سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔

مسئلہ نمبر 16۔ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ زجاج نے کہا: اس میں پانچ وجوہ ہیں: فَاَلْقِهٖۤ اِلَیْهِمْ لفظ میں یاء ثابت ہے یاء کو حذف کرنے اور کسرہ کو ثابت کرنے کے ساتھ جو یاء کے حذف پر دال ہے۔ فَاَلْقِهُ اِلَیْهِمْ ہاء کے ضمہ اور واؤ کو ثابت کرنے کے ساتھ اپنے اصل پر۔ فَاَلْقِهُ اِلَیْهِمْ واؤ کے حذف اور ضمہ کو ثابت کرنے کے ساتھ۔ فالقہ الیهم پانچویں لغت وہ ہے جسے حمزہ نے ہاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ۔ نحاس نے کہا: نحویوں کے نزدیک یہ جائز نہیں مگر بعیدی حیلہ کی صورت میں جائز ہو سکتا ہے وہ وقف کو مقدر کیا جائے۔

میں نے علی بن سلیمان کو کہتے ہوئے سنا: اس علت کی طرف متوجہ نہ ہو، اگر یہ جائز ہوتا، کہ تو وہ وصل کرے اور وقف کی نیت کرے تو اسماء سے اعراب کو حذف کرنا جائز ہوتا۔ اِلَیْهِمْ کہا: ضمیر جمع کی ذکر کی الیها نہیں کہا کیونکہ کہا: وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ گویا فرمایا: اسے ان کی طرف پھینکو جن کا یہ دین ہے۔ مقصود دین کے امر کا اہتمام ہے اور غیر سے

1۔ صحیح مسلم، باب غیرۃ اللہ تعالیٰ و تحریم الفواحش، کتاب التوبۃ، جلد 2، صفحہ 358

اس کے ساتھ اعراض کرتا ہے، اسی وجہ سے کتاب میں خطاب کی بنیاد جمع کے صیغہ پر رکھی گئی ہے۔ اس آیت کے قصوں میں یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ ہدہد پہنچا اس نے اس ملکہ کے اردگرد دیواروں سے بنا حجاب پایا اس نے اس روشندان کا قصد کیا، بلقیس نے یہ روشن دان اس لیے بنوایا تھا تاکہ سورج کے طلوع ہونے کے وقت روشنی اس سے داخل ہوتا کہ وہ سورج کی عبادت کرسکے۔ وہ اس روشن دان سے داخل ہوا اور خط ملکہ بلقیس پر پھینک دیا وہ اس وقت سوئی ہوئی تھی یہ اس طرح روایت کیا گیا ہے جب وہ بیدار ہوئی تو اس خط کو پایا تو اس خط نے اس کو خوفزدہ کردیا۔ اس نے گمان کیا کہ کوئی اس کے کمرہ میں داخل ہوا ہے پھر وہ اٹھی تو اس نے وہی حال پایا جس طرح پہلے کا معمول تھا اس نے روشن دان کی طرف دیکھا تاکہ سورج کے معاملہ کا جائزہ لے تو اس نے ہدہد کو دیکھا تو اسے علم ہوگیا۔

وہب اور ابن زید نے کہا: سورج کے مطلع کے سامنے روشن دان تھا جب سورج طلوع ہوتا تو وہ سجدہ کرتی ہدہد نے اپنے پروں کے ساتھ اسے بند کردیا۔ سورج بلند ہوا اور بلقیس کو اس کا علم نہ ہوا جب سورج کے نظر آنے میں دیر ہوگئی تو وہ دیکھنے لگی ہدہد نے صحیفہ اس کی طرف پھینکا جب اس نے مہر دیکھی تو وہ کانپ اٹھی اور عاجزی کا اظہار کیا کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت، ان کی مہر میں تھی، اس نے خط پڑھا اس نے اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا اور جو کچھ ہونے والا تھا اس کے بارے میں ان سے بات چیت کی۔ مقاتل نے کہا: ہدہد نے خط اپنی چونچ میں اٹھایا وہ اڑا یہاں تک کہ عورت کے سرپر رک گیا اس کے اردگرد اس کے لشکر تھے۔ وہ تھوڑی دیر پھڑ پھڑایا جب کہ لوگ اسے دیکھ رہے تھے عورت نے اپنا سر اوپر کو اٹھایا تو ہدہد نے خط اس کی گود میں پھینک دیا۔

مسئلہ نمبر 17۔ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ مشرکوں کو خط بھیجنا، انہیں دعوت پہنچانا اور اسلام کی طرف انہیں دعوت دینا درست ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ، قیصر اور ہر جابر کی طرف خطوط بھیجے جس طرح آل عمران میں ہے۔

مسئلہ نمبر 18۔ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ پھر ایک طرف ہوجانے کا حکم دیا یہ امر حسن ادب کے طور پر تھا تاکہ وہ اس طرح الگ ہوجائے جس طرح بادشاہوں کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے معنی ہے قریب ہی رہنا تاکہ تو ان کے جواب کو دیکھے، یہ وہب بن منبہ کا قول ہے۔ ابن زید نے کہا: اسے واپس آنے کا حکم دیا، یعنی خط اس پر پھینکنا اور واپس آجانا (1)۔ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ یہ حکم میں مقدم ہے ثُمَّ تَوَلَّ یہ حکم میں موخر ہے کلام میں اتساق نمایاں ہے، یعنی القہ ثم تول، اس کے درمیان دیکھ یعنی انتظار کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جان لے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ (النباء: 40) جان لو وہ کیا جواب دیتے ہیں اور کیا مشورہ کرتے ہیں؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ وہ آپس میں کیا باتیں کرتے ہیں؟

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَ اْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 257

''(خط پڑھ کر) ملکہ نے کہا: اے سرداران قوم! پہنچایا گیا ہے میری طرف ایک عزت والا خط۔ یہ سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن (اور) رحیم ہے۔ تم نہ غرور و تکبر نہ کرو میرے مقابلہ میں اور چلے آؤ میرے پاس فرمانبردار بن کر''۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا کلام میں حذف ہے مراد ہے فذهب فالقاه اليهم فسمعها وهي تقول يايها الملأ وہ گیا اس نے خط ان پر پھینکا اس نے ملکہ بلقیس کو یہ کہتے ہوئے سنا: اے قوم کے سردارو! پھر کتاب کی صفت کریم سے لگائی کیونکہ وہ خط ایسی ذات کی جانب سے تھا جو عظیم تھی یہ عظمت ملکہ بلقیس کے نفس میں تھی یا ان سرداروں کے نفوس میں تھی۔ ملکہ بلقیس نے خط کی عظیم سے صفت حضرت سلیمان علیہ السلام کی تکریم کے لیے ذکر کی تھی؛ یہ ابن زید کا قول ہے یا اس نے یہ اشارہ کیا کہ اس پر مہر لگی ہوئی ہے تو خط کی کرامت اس کی مہر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر وہ کلام جس کے آغاز میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہ ہو تو وہ دم بریدہ ہوتی ہے'' (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ اس کا آغاز اپنی ذات سے تھا یہ طریقہ جلیل القدر لوگ ہی کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے عبدالملک بن مروان کی طرف خط لکھا جس میں وہ مروان کی بیعت کر رہے تھے۔ من عبد الله لعبد الملك بن مروان امير المومنين، یہ خط عبداللہ کی جانب سے عبدالملک بن مروان کے لیے ہے جو امیر المومنین ہے میں تیرے لیے سمع و طاعت کا اقرار کرتا ہوں جس قدر میں طاقت رکھوں گا، میرے بیٹوں نے بھی اس بارے میں تیرے لیے اقرار کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے وہم کیا کہ یہ خط آسمان سے آیا ہے کیونکہ خط پہنچانے والا پرندہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کریم کا معنی حسن ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ (الشعراء) یعنی مجلس حسن۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے خط کی یہ صفت اس لیے ذکر کی کیونکہ اس میں نرم گفتگو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف دعوت کی نصیحت تھی اس میں شفقت اور لطف و مہربانی تھی اس میں سب و لعن وغیرہ نہیں تھا۔ نہ وہ کوئی ایسی چیز تھی جو نفس میں تغیر پیدا کرے نہ وہ درجہ سے گری ہوئی تھی اور نہ ہی اس میں پیچیدگی تھی۔ جس طرح رسولوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو نہیں دیکھتے جو اس نے اپنے نبی سے فرمایا: اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (النحل: 125) اور اللہ تعالیٰ کے فرمان جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی ۝ (طٰہٰ) تمام وجوہ اچھی ہیں اور یہ ان سب سے بہترین ہے یہ روایت بیان کی گئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے قبل کسی نے بھی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہیں لکھی۔ عبداللہ کی قراءت میں ہے وان من سلیمان واؤ زائد ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ كِتٰبٌ میں كَرِيْمٌ کی صفت حد درجہ کا وصف ہے کیا تو اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں دیکھتا انه لقرآن کریم

1۔ سنن ابن ماجہ، باب خطبة النكاح، حدیث نمبر 1883، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اہل زمان کتاب کی صفت، خطیر، اثیر اور مبجو رلگاتے ہیں۔ اگر وہ بادشاہ کا خط ہو تو وہ عزیز کہتے ہیں اور غفلت کے طور پر الکریم کو ساقط کر دیا۔ یہ خصلت کے اعتبار سے افضل ہے جہاں تک العزیز کے ساتھ صفت کا معاملہ ہے تو اس کے ساتھ قرآن کی صفت ذکر کی گئی ہے وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌۙ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ (فصلت: 42) یہ اس کی عزت ہے یہ کسی اور کے لیے نہیں اپنے مکتوبات میں اس سے اجتناب کرو اس کی جگہ العالی کا لفظ رکھو، مقصود ولایت کا حق پورا کرنے کے لیے اور دیانت کا احاطہ کرنے کے لیے ہے، یہ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا۔

مسئلہ نمبر 3۔ متقدمین کا طریقہ تھا جب وہ خط لکھتے تو اپنی ذاتوں سے شروع کرتے۔ من فلان الی فلان۔ اس کے متعلق آثار آئے ہیں۔ ربیع بن انس نے روایت کی ہے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی زیادہ حرمت والا نہیں۔ جب وہ مکتوب لکھتے تو اپنی ذات سے شروع کرتے۔ ابن سیرین نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اہل فارس جب خط لکھتے ہیں تو آغاز اپنے سرداروں سے کرتے ہیں آدمی اپنی ذات سے شروع کرے''۔ ابواللیث نے اپنی کتاب ''البستان'' میں کہا: اگر اس سے خط کو شروع کیا جس کی طرف خط لکھا جا رہا ہے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ امت کا اسی پر اتفاق ہے انہوں نے یہ طریقہ کسی مصلحت کی وجہ سے اپنایا جو مصلحت انہوں نے اس طریقہ میں دیکھی یا اس سے جو طریقہ تھا وہ منسوخ ہو گیا۔ ہمارے اس زمانے میں اچھا یہ ہے کہ خط مکتوب الیہ سے شروع کیا جائے پھر اپنا ذکر کرے، کیونکہ اپنی ذات سے خط کو شروع کرنا یہ مکتوب الیہ کو حقیر جاننے اور اپنے آپ کو بڑا جاننے پر دال ہے مگر یہ لکھا جائے الی عبد من عبیدہ او غلام من غلمانہ۔ غلاموں میں سے ایک غلام کی طرف۔

مسئلہ نمبر 4۔ جب انسان پر کوئی خط وارد ہو جس میں سلام وغیرہ ہو تو اس کو جواب دینا چاہیے کیونکہ مکتوب غائب سے اس طرح ہے جس طرح حاضر سے سلام ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جس طرح سلام کا جواب دینا واجب ہوتا ہے اسی طرح مکتوب کا جواب دینا بھی واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ مکتوبات اور رسائل کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھنے پر علماء کا اتفاق ہے اسی طرح ان کے اختتام پر بھی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھنے پر اتفاق ہے کیونکہ یہ شک سے بعید ہے یہی طریقہ ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اسی طرح اثر واقع ہوا ہے۔ جس مکتوب پر مہر نہ ہو وہ اغلف (جس کو نہ سمجھا جائے) ہے۔ حدیث میں ہے کرم الکتب ختمہ مکتوب کی کرامت اس پر مہر ہے۔ ایک ادیب نے کہا جو ابن مقفع ہے: جس نے اپنے بھائی کو خط لکھا اور اس پر مہر نہ لگائی تو اس نے اس کی حقارت بیان کی، کیونکہ مہر لگانا ہی اس کا افتتاح ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ عجمیوں کو خط لکھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی: یہ وہی خط قبول کرتے ہیں جس پر مہر ہو، آپ نے مہر بنوائی اور اس کے نگینہ پر یہ نقش لکھوایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ گویا میں اس کی چمک اور سفیدی آپ کی ہتھیلی میں دیکھتا ہوں (1)۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب نقش الخاتم، جلد 2، صفحہ 872

مسئلہ نمبر 6۔ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ دونوں جگہ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے اور دونوں سے کلام شروع ہو رہا ہے۔ فراء نے دونوں میں ان ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ محل رفع میں ہے یہ الکتاب سے بدل ہے اُلقی ان انه من سلیمان یہ بھی جائز ہے کہ حرف جار کے حذف کے ساتھ محل نصب میں ہو یعنی لانه من سلیمان ولانه گویا اس کی کرامت کی علت یہ بیان کی کہ یہ سلیمان کی جانب سے ہے اور اس کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہے اشہب عقیلی اور محمد بن سمیقع نے پڑھا: الا تغلوا غین معجم کے ساتھ، وہب بن منبہ سے مروی ہے یہ غلا یغلو سے مشتق ہے جب وہ حد سے تجاوز کرے اور تکبر کرے۔ یہ جماعت کی قراءت کے معنی کی طرف راجع ہے۔

وَ اْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ اطاعت کرنے والے اور ایمان والے بن کر ہمارے پاس آؤ۔

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ۬ وَّ الْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾

''ملکہ نے کہا: اے سرداران قوم! مجھے مشورہ دو میرے اس معاملہ میں، میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا کرتی جب تک تم موجود نہ ہو۔ وہ کہنے لگے: ہم بڑے طاقت ور اور سخت جنگجو ہیں اور فیصلہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے آپ غور کرلیں کہ آپ کیا حکم دینا چاہتی ہیں؟ ملکہ نے کہا: اس میں شک نہیں کہ بادشاہ جب داخل ہوتے ہیں کسی بستی میں تو اسے برباد کر دیتے ہیں اور بنا دیتے ہیں وہاں کے معزز شہریوں کو ذلیل اور یہی ان کا دستور ہے (اس لیے جنگ کرنا قرین دانشمندی نہیں)''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ، ملأ سے مراد قوم کے اشراف ہیں۔ سورۂ بقرہ میں اس کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کے ساتھ ہزار سردار تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بارہ ہزار سردار تھے، ہر سردار کے ساتھ لاکھ سپاہی تھے۔ قیل سے مراد بڑے بادشاہ کے نیچے چھوٹے بادشاہ تھے اس نے اپنی قوم کے ساتھ حسن ادب کو ملحوظ خاطر رکھا ہے اور اس معاملہ میں ان سے مشورہ کیا اور انہیں یہ بتایا: یہ اس کا عام معمول ہے اس معاملہ میں جو اسے لاحق ہوتا ہے، اس کا ذکر اس قول میں ہے: مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ تو اس بڑی مصیبت میں کیسے تم سے مشورہ نہ کروں؟ سرداروں نے اسے وہ جواب دیا جس سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں۔ انہوں نے اسے اپنی قوت اور طاقت کا بتایا پھر معاملہ کو اس کی رائے کے سپرد کر دیا۔ یہ سب کی جانب سے اچھا مشورہ تھا۔ قتادہ نے کہا: ہمارے سامنے یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ اس کے تین سو تیرہ آدمی تھے جو اہل مشورہ تھے ان میں سے ہر ایک دس ہزار افراد پر مشتمل لشکر کا سردار تھا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں مشورہ کی صحت پر دلیل ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ سے ارشاد فرمایا: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (آل عمران: 159) یا تو آراء سے مدد لی یا اولیاء کی خاطر مدارت تھی اللہ تعالیٰ نے فضلاء کی اس قول کے ساتھ مدح کی وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (شوریٰ: 38) مشاورت یہ قدیمی امر ہے اور جنگی معاملات میں اس کا خاص مقام ہے یہ بلقیس دور جاہلیت کی عورت تھی سورج کی عبادت کیا کرتی تھی۔ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ تاکہ دشمنوں کے ساتھ برسرپیکار ہونے کے لیے ان کے عزم سے آگاہی حاصل کرے، اور جو ان کے معاملہ کو درست کرے اس میں احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھے اور اپنی اطاعت پر ان کے فیصلہ سے آگاہی حاصل کرے اور یہ جانے کہ اگر وہ اپنی جانیں، اپنے اموال اور اپنے خون اس کے دفاع کے لیے خرچ نہ کریں تو ان میں اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہ ہوگی۔ اگر ان کا امر، احتیاط اور کدوکاوش کو مجتمع نہ ہو تو یہ ان کی اپنے دشمن کی مدد ہوگی اگر وہ خود امتحان نہ لے جو کچھ ان کے پاس ہے اور ان کے عزم کی قدر کو نہ پہچانے تو وہ بصیرت پر نہ ہوگی۔ بعض اوقات اس کا اپنی رائے سے استبداد اختیار کرنا اس کی طاعت میں کمزوری کو ثابت کرتا اور ان کا امور کی تقدیر میں دخل اندازی بنتی اس نے ان سے جو مشورہ لیا اور ان کی رائے لی تو یہ اس امر میں مددگار ثابت ہوا جس امر کا وہ ارادہ رکھتی تھی وہ ان کی شوکت کی قوت اور ان کی مدافعت کی شدت کا ملاحظہ کرنا تھا کیا آپ ان کے اس قول کو نہیں دیکھتے جو انہوں نے جواب دیا: نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان میں سے ایک کی قوت یہ تھی کہ وہ اپنے گھوڑے کو دوڑاتا جب وہ خوب تیز دوڑنے لگتا تو وہ اپنی رانوں کو ملاتا تو وہ اپنی طاقت سے گھوڑے کو دوڑنے سے روک لیتا۔

مسئلہ نمبر 3۔ وَالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ انہوں نے اپنی قوت، طاقت اور شدت کا اظہار کیا، پھر معاملہ کو اس کی رائے کے سپرد کر دیا۔ جب وہ یہ کر چکے تو اس موقع پر اس نے بتایا کہ بادشاہ جب غلبہ پاتے ہیں تو وہ بستیوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ اس کلام میں اسے اپنی قوم کے بارے میں خوف اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو عظیم جاننے کا تذکرہ ہے۔

وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بلقیس کے قول میں سے ہے جس معنی کا اس نے ارادہ کیا اس کی تائید ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس میں حضرت محمد ﷺ اور آپ کی امت کو آگاہ کرنا ہے (1)۔ وہب نے کہا: جب اس نے ان پر خط پڑھا وہ اللہ تعالیٰ کے نام کو نہ پہچان سکی۔ اس نے کہا: یہ کیا ہے؟ کسی فرد نے بتایا: ہمارا گمان نہیں مگر یہ جنوں میں بڑا جن ہے جس کے ذریعے یہ بادشاہ ہر اس امر پر قادر ہو جاتا ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے۔ سرداروں نے اسے خاموش کرا دیا، ایک اور نے کہا: میں انہیں تین عفریتوں میں سے دیکھتا ہوں۔ سرداروں نے اسے بھی خاموش کرا دیا۔ ایک نوجوان نے کہا جس کو علم تھا: اے بادشاہوں کی ملکہ! حضرت سلیمان ایک بادشاہ ہے آسمان کے بادشاہ نے اسے عظیم ملک عطا کیا ہے وہ کوئی کلام نہیں کرتا مگر اس کے شروع میں اپنے الٰہ کا نام لیتا ہے، اللہ یہ آسمان کے بادشاہ کا نام ہے رحمن اور رحیم اس کی صفات ہیں اس موقع پر اس نے کہا: اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ انہوں نے جواب دیا: نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ ہم قتال میں بڑے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 258

قوی ہیں۔ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِیْدٍ جنگ اور مقابلہ کے وقت بڑی قوت والے ہیں۔ وَّ الْاَمْرُ اِلَیْكِ معاملہ تیرے سپرد ہے۔ انہوں نے اس معاملہ کو اس کی طرف سپرد کر دیا کیونکہ انہیں تجربہ تھا کہ اس کی رائے میں برکت ہے۔ فَانْظُرِیْ مَاذَا تَاْمُرِیْنَ تو اس موقع پر اس نے کہا: اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً وہ شرفاء کو ذلیل کر دیتے ہیں تا کہ ان کے لیے امور درست ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے قول کی تصدیق کی: وَ كَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ۔ ابن انباری نے کہا: وَ جَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً پر وقف تام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی تحقیق کے طور پر کہا: وَ كَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ اس کی مثل سورۂ اعراف میں ہے: قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۹﴾ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ (الاعراف: 109) فرعون نے کہا: فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ (الاعراف) ابن شجرہ نے کہا: یہ بلقیس کے قول میں سے ہے، وقف وَ كَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ پر ہے یعنی جب حضرت سلیمان ہمارے شہروں میں داخل ہوں گے تو اس طرح کریں گے۔

وَ اِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

''اور میں بھیجتی ہوں ان کی طرف ایک تحفہ پھر دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں''۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ اِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ تو یہ اس کا حسن نظر اور حسن تدبیر تھا۔ میں تحفہ بھیج کر اس آدمی کا امتحان لیتی ہوں میں اسے عمدہ اموال عطا کرتی ہوں اور امور مملکت میں نادر و نایاب چیزیں اس پر پیش کرتی ہوں اگر وہ دنیاوی بادشاہ ہوا تو مال اسے خوش کر دے گا اور ہم اس کے ساتھ اسی مناسبت سے معاملہ کرلیں گے اگر وہ نبی ہوا تو مال اسے خوش نہیں کرے گا اور وہ ہمارے اوپر دینی امور کو لازم کرے گا تو ہمارے لیے مناسب ہوگا کہ ہم اس پر ایمان لے آئیں اور اس کے دین پر اس کی اتباع کریں۔ اس نے حضرت سلیمان کی طرف عظیم تحفہ بھیجا لوگوں نے اس کی تفصیل میں بہت زیادہ گفتگو کی ہے۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے اس نے سونے کی ایک اینٹ بھیجی تو قاصدوں نے سونے کی دیواریں دیکھیں تو جو تحفہ وہ لائے تھے اس کو انہوں نے حقیر جانا۔ مجاہد نے کہا: ملکہ بلقیس نے اس کی طرف دو سو غلام اور دو سو لونڈیاں بھیجیں (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اس نے بارہ خادمائیں بھیجیں جن کو اس نے غلاموں کا لباس پہنایا اور بارہ غلام بھیجے ان کو اس نے عورتوں کا لباس پہنایا۔ خادموں کے ہاتھوں پر کستوری اور عنبر کے طبق تھے بارہ شریف خاندان کی دوشیزائیں تھیں جو سونے کی اینٹیں اٹھائے ہوئے تھیں دو گھونگے تھے ان میں سے ایک میں چھید تھا اور دوسرے میں چھید نہیں تھا اور چھید ٹیڑھا تھا۔ ایک پیالہ تھا جس میں کوئی چیز نہ تھی ایک عصا تھا حمیر کے بادشاہ جس کے وارث چلے آرہے تھے۔ اس نے یہ ہدیہ اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ بھیجا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قاصد ایک تھا اس کی صحبت میں پیروکار اور خدام تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس نے اپنی قوم کے اشراف میں سے ایک آدمی بھیجا جس کو منذر بن عمرو کہا جاتا۔ اس کے ساتھ اس نے صاحب الرائے اور دانشمند آدمی کر دیے۔ ہدیہ سو غلام اور سو لونڈیاں تھیں۔ لباس ان کے مخلف

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 259، معنا

تھے اس نے غلمان سے کہا: جب حضرت سلیمان علیہ السلام تم سے گفتگو کریں تو ان کے ساتھ ایسی گفتگو کرو جس میں تانیث ہو اور وہ کلام عورتوں کے کلام کے مشابہ ہو۔ اس نے لونڈیوں سے کہا: ان سے کلام کرو جس میں سختی ہو اور وہ کلام مردوں کے کلام کے مشابہ ہو۔ یہ کہا جاتا ہے: ہدہد آیا اور اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو سب کچھ بتا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر دی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ آپ کی جگہ نو فراسخ تک سونے اور چاندی کی اینٹیں لگا دیں، پھر فرمایا: خشکی اور تری میں کون سا جانور تم سب سے خوبصورت دیکھتے ہو؟ ساتھیوں نے بتایا: اے اللہ کے نبی! ہم نے سمندر میں فلاں فلاں جانور دیکھے جس پر نقطے ہیں اس کے رنگ مختلف ہیں، اس کے پر ہیں، اس کی گردن پر بال ہیں اور پیشانی پر بال ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا تو جانور آ گئے انہیں میدان کے دائیں اور بائیں اور سونے چاندی کی اینٹوں پر باندھ دیا گیا اور ان کے لیے چارہ ڈال دیا پھر آپ نے جنوں کو حکم دیا کہ اپنی اولادوں کو لے آؤ تو آپ نے انہیں میدان کی دائیں اور بائیں جانب کھڑا کر دیا جو انتہائی خوبصورت جوان تھے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی مجلس میں اپنی کرسی پر بیٹھے آپ کے لیے سونے کی چار ہزار کرسیاں آپ کی دائیں جانب اور اتنی مقدار میں بائیں جانب رکھ دیں۔ ان پر انبیاء اور اولیاء کو بٹھایا۔ شیاطین، جنوں اور انسانوں کو حکم دیا کہ کئی فرسخوں تک کھڑے ہو جائیں، درندوں، کیڑے مکوڑوں اور پرندوں کو حکم دیا تو انہوں نے کئی فراسخ تک آپ کے دائیں بائیں صفیں بنالیں جب قوم میدان کے قریب ہو گئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک کو دیکھا اور جانور دیکھے جس سے حسین ان کی آنکھوں نے نہ دیکھے تھے جو سونے اور چاندی کی اینٹوں پر پیشاب کر رہے تھے تو انہیں اپنے آپ چھوٹے لگے اور ان کے پاس جو ہدایا تھے انہیں پھینک دیا۔

بعض روایات میں ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب یہ حکم دیا کہ میدان کے فرش کو سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنا دیا جائے تو آپ نے یہ بھی حکم دیا کہ راستہ میں قالین کے برابر زمین کا حصہ چھوڑ دیا جائے اس پر فرش نہ لگایا جائے جب وہ اس کے پاس سے گزرے تو انہیں خوف ہوا کہ ان پر تہمت لگائی جائے گی تو ان کے پاس جو کچھ تھا وہ انہوں نے وہاں پھینک دیا جب انہوں نے شیاطین کو دیکھا تو انہوں نے خوفناک منظر دیکھا تو وہ اس سے گھبرا گئے اور خوفزدہ ہو گئے۔ شیاطین نے انہیں کہا: تم گزر جاؤ تم پر کوئی گرفت نہیں وہ جنوں، انسانوں، چوپائیوں، پرندوں، درندوں اور وحشیوں کی جماعتوں کے پاس سے گزرتے رہے یہاں تک کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جا کر ٹھہر گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خندہ پیشانی سے خوبصورت انداز میں دیکھا ملکہ بلقیس نے اپنے قاصد سے کہا تھا: اگر وہ تجھے غضب کی نظر سے دیکھے تو جان لینا کہ وہ بادشاہ ہے اس کا منظر تجھے خوفزدہ نہ کرے بے شک میں اس سے زیادہ غلبہ رکھتی ہوں اگر تو ایسا آدمی دیکھے جو بشاش بشاش اور شفقت کرنے والا ہے تو جان لینا وہ نبی مرسل ہے اس کی بات کو خوب سمجھنا اور جواب دینا۔ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو پہلے ہی سب کچھ بتا دیا تھا۔ ملکہ بلقیس نے سونے کے ایک چھوٹے برتن کا ارادہ کیا جس میں ایک ایسا موتی تھا جس میں سوراخ نہیں کیا گیا تھا اور ایک ایسا گونگا تھا جس میں چھید ٹیڑھا کیا گیا تھا۔ اس نے قاصد کے ہاتھ ایک خط لکھ کر بھی بھیجا تھا اس میں اس نے کہا تھا: اگر تو نبی ہے تو خدام اور خادماؤں میں فرق کرو اور چھوٹے برتن میں جو کچھ ہے اس کے بارے میں خبر دو اور نچلی جانب

سے عصا کا سرا مجھے بتاؤ۔ موتی میں سیدھا چھید کرو اور گونگے میں دھاگا داخل کرو اور پیالے کو ایسے پانی سے بھر دو جو نہ زمین سے تعلق رکھتا ہو اور نہ ہی آسمان سے۔ جب قاصد پہنچا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے کھڑا ہوا تو آپ کو ملکہ کا خط پہنچایا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے دیکھا پوچھا: وہ برتن کہاں ہے؟ اسے لایا گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے حرکت دی تو اس میں جو کچھ تھا حضرت جبریل امین نے اس کے بارے میں خبر دے دی۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے انہیں خبر دے دی۔ قاصد نے عرض کی: آپ نے سچ فرمایا ہے۔ موتی میں سوراخ کیجئے اور گھونگے میں دھاگہ ڈالیے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں اور انسانوں سے فرمایا کہ اس میں سوراخ کیجئے تو وہ عاجز آ گئے آپ نے شیاطین سے فرمایا: تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے عرض کی: آپ دیمک کو پیغام بھیجیں، دیمک آ گئی اس نے اپنے منہ میں ایک بال لیا یہاں تک کہ دوسری جانب سے نکل گئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے فرمایا: تیری کوئی حاجت؟ اس نے عرض کی: میرا رزق درخت میں رکھ دیجئے۔ فرمایا: تیرے لیے وہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: کون اس گھونگے میں دھاگا ڈالے گا؟ سفید کیڑے نے کہا: اے اللہ کے نبی! میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ کیڑے نے دھاگا اپنے منہ میں لیا سوراخ میں داخل ہوا یہاں تک کہ دوسری جانب سے نکل گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: تیری کوئی حاجت؟ عرض کی: میرا رزق پھلوں میں رکھ دیجئے۔ فرمایا: وہ تیرے لیے ہے۔ پھر آپ نے خدام اور لونڈیوں میں فرق کیا۔ سدی نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے انہیں وضو کا حکم دیا مرد ہاتھ اور پاؤں پر پانی بہانے لگے اور لونڈیاں بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ پر پانی بہانے لگیں اور دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی بہانے لگیں، تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس طرح ان کو الگ الگ کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لونڈی برتن سے ایک ہاتھ سے پانی لیتی پھر اسے دوسرے میں رکھتی پھر منہ پر ڈالتی جب کہ غلام برتن سے پانی لیتا اور اپنے چہرے پر ڈالتا لونڈی اپنی کلائی کے بطن پر پانی بہاتی اور غلام کلائی کی پشت پر پانی بہاتا۔ لونڈی پانی انڈیلتی اور غلام اپنے ہاتھوں پر پانی تیزی سے بہاتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس طرح ان کے درمیان تمیز کی۔

یعلی بن مسلم نے سعید بن جبیر سے روایت نقل کی ہے کہ ملکہ بلقیس نے دو سو غلام اور لونڈیاں بھیجیں اس نے کہا: اگر نبی ہوئے تو مؤنث سے مذکر کو پہچان لیں گے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ وضو کرو تو انہوں نے وضو کیا ان میں سے جس نے وضو کیا اور اپنی ہتھیلی سے پہلے اپنی کہنی سے دھونے کا عمل شروع کیا۔ فرمایا: یہ مونث ہے اور جس نے کہنی سے پہلے ہتھیلی سے دھونے کا عمل شروع کیا تو وہ مذکر ہے۔ پھر آپ نے عصا کو ہوا کی طرف اچھالا فرمایا: جو سرا پہلے زمین کی طرف آئے گا وہ اس کی اصل ہوگا۔ آپ نے گھوڑے کے بارے میں حکم دیا کہ اسے دوڑایا جائے یہاں تک کہ اسے پسینہ آ جائے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے پسینہ سے اس پیالہ کو بھر دیا۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے تحفہ واپس کر دیا۔ یہ روایت بیان کی گئی ہے: جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدیہ واپس کر دیا اور اس کے قاصدوں نے ان چیزوں کے بارے میں بتایا جن کا مشاہدہ انہوں نے کیا تھا تو ملکہ بلقیس نے اپنی قوم سے کہا: یہ آسمان کا معاملہ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول کیا کرتے تھے اس پر ثابت رہتے اور صدقہ قبول نہ فرماتے۔ حضرت

سلیمان علیہ السلام اور باقی انبیاء کا بھی یہی معمول تھا۔ ملکہ بلقیس نے ہدیہ کے قبول کرنے اور اس کے رد کرنے کو اپنے ہاں ایک علامت بنایا تھا جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بادشاہ ہیں یا نبی ہیں کیونکہ آپ نے اپنے خط میں لکھا تھا اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَ اْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ اس میں فدیہ قبول نہیں ہوتا اور نہ ہی ہدیہ لیا جاتا ہے یہ اس باب سے متعلق نہیں جس میں یہ ثابت ہو کہ اس میں ہدیہ کو کس طریقہ سے قبول کیا جاتا ہے؟ یہ تو رشوت ہے اور حق کی باطل کے بدلہ میں بیع ہے، یہ ایسی رشوت ہے جو حلال نہیں جہاں تک مطلق ہدیہ کا تعلق ہے جو باہم محبت اور صلہ رحمی کے لیے دیا جاتا ہے یہ بہر کیف جائز ہے جب کہ مشرک کی جانب سے نہ ہو۔

مسئلہ نمبر 3۔ اگر مشرک کی جانب سے ہو تو حدیث طیبہ میں ہے ''مجھے مشرکوں کے ہدایا اور عطیات سے روک دیا گیا ہے'' (1)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول فرمایا جس طرح مالک کی حدیث میں ہے جو ثور بن زید دیلی وغیرہ سے مروی ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے دونوں میں نسخ کا قول کیا ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اس میں کوئی ناسخ و منسوخ نہیں۔ اس میں معنی یہ ہے آپ اس کافر کا ہدیہ قبول نہ کرتے جس پر غلبہ کا ارادہ رکھتے ہوں، اس کے ملک کو لینا چاہتے ہوں اور اس کے اسلام میں داخل ہونے کی خواہش کرتے ہوں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہی حالت تھی۔ اس جیسی صورتحال میں آپ کو نہی کی گئی کہ اس کا ہدیہ قبول کیا جائے تاکہ اسے محمول کیا جائے کہ آپ اس سے رک جائیں۔ اس بارے میں علماء کی تاویلات میں سے سب سے اچھی تاویل ہے کیونکہ اس تاویل میں احادیث کی تطبیق ہو جاتی ہے اس کے علاوہ بھی علماء نے تاویل کی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ ہدیہ مستحب ہے یہ محبت کو پیدا کرتا ہے اور دشمنی کو ختم کرتا ہے۔ امام مالک نے عطا خراسانی سے روایت نقل کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''باہم مصافحہ کیا کرو یہ کینے کو ختم کر دیتا ہے، باہم ہدیہ دیا کرو تمہارے درمیان محبت پیدا ہو جائے گی اور یہ چیز بخل کو ختم کر دے گی (2)''۔ معاویہ بن حکم نے روایت نقل کی ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''باہم ہدیہ دیا کرو کیونکہ یہ محبت میں اضافہ کرتا ہے اور سینے کے کینوں کو دور کرتا ہے'' (3)۔ دارقطنی نے کہا: ابن بکیر اپنے باپ سے وہ مالک سے روایت نقل کرتے ہیں وہ کوئی پسندیدہ شخصیت نہیں تھے نہ یہ روایت امام مالک سے ثابت ہے اور نہ زہری سے ثابت ہے۔ ابن شہاب سے مروی ہے کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''باہم ہدیہ دیا کرو ہدیہ کینہ کو ختم کر دیتا ہے''۔ ابن وہب نے کہا: میں نے یونس سے سخیمہ کے بارے میں پوچھا: وہ کیا ہے؟ فرمایا: کینہ۔ اس حدیث کو وقاص عثمان، زہری سے متصل نقل کرتے ہیں جب کہ وہ ضعیف ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ کو قبول فرمایا کرتے تھے اس میں اسوۂ حسنہ موجود ہے اتباع سنت کے ساتھ ساتھ ہدیہ نفس کی

1۔ جامع ترمذی، باب السیر، باب ماجاء فی قبول ھدایا المشرکین، جلد 1، صفحہ 191

2۔ موطا امام مالک، کتاب حسن الخلق، باب ماجاء فی الغضب، صفحہ 706

3۔ جامع ترمذی، باب الولاء والھبۃ، باب ماجاء فی حث النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الھدایۃ، جلد 2، صفحہ 35، (روایت بالمعنی)

آلائشوں کو زائل کرتا ہے ہدیہ دینے والے اور جس کو ہدیہ دیا جائے ان میں باہمی ملاقات اور صحبت کی چاشنی پیدا کرتی ہے جس نے کہا کتنا اچھا کہا:

هدايا الناس بعضهم لبعض تُوَلِّد في قلوبهمُ الوِصَالا
وتزرعُ في الضمير هَوىً ووُدًّا وتُكسبهم إذا حضروا جَمالا

لوگوں کے ایک دوسرے کو ہدایا ان کے دلوں میں باہمی محبت پیدا کرتے ہیں۔ وہ ضمیر میں محبت کا بیج بوتے ہیں اور جب وہ حاضر ہوتے ہیں تو انہیں جمال عطا کرتے ہیں۔

إنّ الهدايا لها حظّ إذا وَرَدتْ أحظى من الابن عند الوالد الحدِبِ

ہدایا جب بیٹے کی جانب سے واقع ہوں تو شفیق باپ کے نزدیک ان کا بڑا مقام ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''تمہارے جلیس ہدیہ میں تمہارے ساتھ شریک ہیں'' (1) اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ظاہر معنی پر محمول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کرم اور مروت کی بنا پر ان کے ساتھ شریک ہیں اگر وہ ایسا نہ کرے تو اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ امام ابو یوسف نے کہا: یہ پھلوں وغیرہ میں ہے۔ بعض نے کہا: وہ ہدیہ کی بجائے سرور میں شریک ہیں۔ خبر اصحاب صفہ، گلی والے اور فقراء کے لیے وقف کیے گئے مکانات پر محمول ہے۔ اگر وہ فقہاء میں سے فقیہ ہو تو اس میں اصحاب کی کوئی شرکت نہ ہوگی۔ اگر وہ ان لوگوں کو شریک کرے تو اس کی سخاوت ہوگی۔

مسئلہ نمبر 6۔ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ یہاں ناظرہ، منتظرہ کے معنی میں ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے وہ اپنے اسلام اور اپنے شرک میں سمجھ دار تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ہدیہ لوگوں کے ہاں بڑی شان رکھتا ہے۔ بِمَ میں الف ساقط ہو گیا ہے تاکہ ما استفہامیہ اور ما خبریہ میں فرق کیا جائے۔ بعض اوقات اس کا ثابت کرنا بھی جائز ہے۔ شاعر نے کہا:

على ما قام يشتمني لئيمٌ كخنزير تمرَّغ في رمادِ

کمینہ آدمی مجھے ملامت کرنے لگا جس طرح خنزیر راکھ میں لیٹتا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَاۤ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ۝ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَاۤ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ۝ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب من اهدى له هدية، جلد 2، صفحہ 355 (روایت بالمعنی)

فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ۝

''سو جب قاصد آپ کے پاس (ہدیہ لے کر) آیا تو آپ نے فرمایا: کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو (سنو!) جو عطا فرمایا ہے مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ بہتر ہے اس سے جو تمہیں دیا ہے بلکہ تم اپنے ہدیہ پر پھولے نہیں سما رہے (گویا کوئی بڑی نادر چیز لائے ہو) تو واپس چلا جا ان کے پاس اور ہم آ رہے ہیں ان کی طرف ایسے لشکر لے کر جس کے مقابلہ کی ان میں تاب نہیں اور ہم یقیناً نکال دیں گے انہیں اس شہر سے ذلیل کر کے اور وہ خوار اور رسوا ہو چکے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا: اے (میرے) درباریو! کون تم سے لے آئے گا میرے پاس اس تخت کو اس سے پہلے کہ وہ آ جائیں میری خدمت میں (فرمانبردار بن کر) عرض کی ایک عفریت نے جنات میں سے (حکم ہو تو) میں لے آتا ہوں آپ کے پاس اس سے پیش ازیں کہ آپ کھڑے ہوں اپنی جگہ سے اور بے شک میں اس کو اٹھا لانے کی طاقت بھی رکھتا ہوں (اور) امین بھی ہوں۔ عرض کی اس نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا (اجازت ہو تو) میں لے آتا ہوں اسے آپ کے پاس اس سے پہلے کہ آپ کی آنکھ جھپکے پھر جب آپ نے اسے دیکھا کہ وہ رکھا ہوا ہے آپ کے نزدیک تو فرمانے لگے: یہ میرے رب کا فضل (وکرم) ہے تاکہ وہ آزمائے مجھے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جس نے شکر کیا تو وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کے لیے اور جو ناشکری کرتا ہے (وہ اپنا نقصان کرتا ہے) بلاشبہ میرا رب غنی ہے (اور) کریم بھی''۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ قاصد حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ہدیہ لایا فرمایا: **اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ** حمزہ، یعقوب اور اعمش نے ایک نون مشددہ اور اس کے بعد یاء ثابتہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے دونوں پڑھے ہیں؛ یہ ابو عبید کا پسندیدہ قول ہے، کیونکہ تمام مصاحف میں دو نون ہیں۔ اسحاق نے نافع سے یہ قراءت نقل کی ہے اَتُمِدُّوْنِ یعنی ایک نون ہے مخففہ ہے بعد میں یاء ہے جو لفظوں میں ہے۔ ابن انباری نے کہا: اس قراءت میں واجب ہے کہ وقف کے وقت یاء کو ثابت رکھا جائے تاکہ مصحف کے ہجوں کے ساتھ موافقت ہو جائے۔ اصل نون مشددہ ہے اس جگہ تشدید میں تخفیف کی گئی ہے جس طرح أشهد أنت عالم میں تخفیف کی گئی ہے اصل انك عالم ہے۔ اسی معنی پر اس نے بنا کی جس نے پڑھا: یشاقون فیهم۔ اتحاجون فی اللہ۔ عربوں نے کہا: الرحال یضربون ویقصدون اصل میں یضربوننی ویقصدوننی ہے کیونکہ یہ یضربوننی اور یقصدوننی کا ادغام ہے۔ شاعر نے کہا:

تَرْهَبِيْنِ وَالجِيْدُ مِنكِ لِلَيْلَى وَالحَشَا وَالبُغَامُ وَالعَيْنَانِ

اصل میں ترهبیننی ہے اس میں تخفیف کی گئی۔ اَتُمِدُّوْنَنِيْ کا معنی ہے کیا تم میرے مال میں اضافہ کرتے ہو جب کہ تم میرے اموال کا مشاہدہ کر رہے ہو۔

فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ اللہ تعالیٰ نے اسلام، ملک اور نبوت کی صورت میں جو کچھ عطا کیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو

اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کیا ہے میں مال کے ساتھ خوش نہیں ہوتا۔ آتانی اللہ یاء مفتوحہ ہے۔ جب انہوں نے وقف کیا تو انہوں نے یاء کو حذف کیا۔ جہاں تک یعقوب کا تعلق ہے تو وہ وقف میں ثابت کرتے ہیں اور اجتماع ساکنین کی وجہ سے وصل میں گرا دیتے ہیں۔ باقی قراء دونوں حالوں میں یاء کے بغیر پڑھتے ہیں۔

بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِیَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ کیونکہ تم فخر کرنے والے اور دنیا میں کثرت مال کا تقاضا کرنے والے ہو۔

اِرْجِعْ اِلَیْهِمْ حضرت سلیمان نے منذر بن عمرو سے کہا جو وفد کا امیر تھا: ہدیہ کو ان کی طرف واپس لے جاؤ۔ فَلَنَاْتِیَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا لام قسمیہ ہے اور نون ثقیلہ اس کو لازم ہے۔ نحاس نے کہا: میں نے ابوالحسن بن کیسان کو کہتے ہوئے سنا: یہ لام تاکید ہے اسی طرح اس کے نزدیک لام تین طرح ہیں کوئی اور لام نہیں (۱) لام تاکید (۲) لام امر (۳) لام جار۔ یہ ذہین نحویوں کا قول ہے کیونکہ وہ ہر چیز کو اس اصل کی طرف پھیرتے ہیں یہ کسی انسان کے لیے اس وقت ہی ہو سکتا ہے جب اسے عربی زبان میں تجربہ و مہارت ہو۔ لَا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا کا معنی ہے انہیں اس کی طاقت نہ ہوگی۔ وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ ہا ضمیر سے مراد ان کی زمینیں ہیں۔ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہا ضمیر سے مراد قریہ سبا ہے اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا میں گزر چکا ہے اَذِلَّةً کا معنی ہے ان کا ملک اور عزت سلب کر لی جاتی ہے۔ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ جب کہ وہ ذلیل و رسوا ہوتے ہیں۔ یہ صغر سے مشتق ہے جس کا معنی ذلت ہے یعنی اگر وہ اسلام لائیں۔ قاصد واپس ملکہ بلقیس کے پاس گیا اور اسے خبر دی۔ اس نے کہا: میں پہچان گئی ہوں کہ وہ بادشاہ نہیں اللہ تعالیٰ کے انبیاء میں سے کسی نبی کے ساتھ جنگ کرنا ہمارے بس میں نہیں۔ اس نے اپنے عرش کے بارے میں حکم دیا تو اسے ایسے سات کمروں میں مقفل کر دیا گیا جو ایک دوسرے کے اندر تھے جس کے اردگرد سات محلات تھے۔ تمام دروازے بند کر دیئے گئے ان پر پہرے لگا دیئے گئے اور خود بارہ ہزار چھوٹے بادشاہوں کے ساتھ جو یمن کے بادشاہ تھے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جانے کے لیے سفر شروع کیا ہر بادشاہ کی قیادت میں ایک لاکھ سپاہی تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے ہیبت والے بادشاہ تھے آپ پہل نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ ان سے اس کا سوال کیا جاتا۔ ایک دن آپ نے اپنے قریب غبار دیکھا پوچھا: یہ کیا ہے؟ ساتھیوں نے بتایا: یہ ملکہ بلقیس ہے اے اللہ کے نبی! تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے لشکریوں سے فرمایا وہب اور دوسرے علماء نے کہا: آپ نے جنوں سے فرمایا۔

اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ عبداللہ بن شداد نے کہا: ملکہ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام سے ایک فرسخ دور تھی جب آپ نے یہ حکم دیا تھا وہ اپنا عرش سبا چھوڑ آئی تھی اور اس پر نگہبان بٹھائے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب ملکہ بلقیس نے تحفہ بھیجا تھا تو اس نے اپنے قاصد اپنے لشکروں کی صورت میں بھیجے تھے تاکہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام اس کے ملک پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں تو تیاری سے پہلے ہی دھوکہ سے انہیں قتل کر دیا جائے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کا علم ہوا تو اس وقت آپ نے یہ حکم دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرش لانے کا حکم اس

سے قبل دیا تھا جب آپ نے اسے خط لکھا تھا کہ وہ اس کی بارگاہ میں داخل ہوا بھی خط نہیں بھیجا تھا کہ وہ عرش آ گیا۔ ابن عطیہ نے کہا: آیات کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ گفتگو ہدہد کے آنے اور اس کو لوٹانے اور ہدہد کو خط دے کر بھیجنے کے بعد کی تھی؛ جمہور مفسرین کی یہی رائے ہے۔ عرش منگوانے کے فائدے کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے اس کی عظمت اور عمدگی کا ذکر کیا گیا تو آپ نے ارادہ کیا کہ قبل اس کے کہ اسلام اس کے تخت اور قوم کی حفاظت کرے اور ان کے اموال کی حفاظت کرے وہ اس تخت کو لے لیں۔ اسلام کا یہی طریقہ ہے، یہ ابن جریج کا قول ہے۔ ابن زید نے کہا: آپ نے تخت اس لیے منگوایا تھا تا کہ ملکہ بلقیس کو اپنی وہ طاقت دکھائیں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کو دی گئی نیز اسے نبوت پر دلیل بنائیں کہ وہ لشکر اور جنگ کے بغیر بھی ان کے گھروں کو اپنی تحویل میں لے سکتے ہیں۔ اس تاویل کی بنا پر مُسْلِمِیْنَ، مستسلمین کے معنی پر ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ابن زید نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی عقل کا امتحان لینا چاہا۔ اسی وجہ سے فرمایا: نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْۤ جنوں کو خوف ہوا کہ کہیں حضرت سلیمان علیہ السلام اس سے شادی ہی نہ کر لیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا اس کے بطن سے بچہ پیدا نہ ہو جائے تو وہ ہمیشہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نسل کے خادم اور تابع ہی رہیں گے۔ جنوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا: ملکہ بلقیس کی عقل میں خلل ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت کی وساطت سے اس کا امتحان لینا چاہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کی صداقت کا امتحان لینا چاہا۔ جو اس نے کہا تھا: وَ لَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾ یہ طبری کا قول ہے۔ قتادہ سے مروی ہے: ہدہد نے جو وصف بیان کیا اس کو دیکھنا حضرت سلیمان علیہ السلام نے پسند کیا۔ پہلے قول کو اکثر علماء نے تسلیم کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ کیونکہ وہ اگر مسلمان ہو جاتی تو اس کا مال اس پر محفوظ ہو جاتا تو اس کی اجازت کے بغیر اس کو نہ لیا جا سکتا۔ روایت بیان کی گئی ہے: وہ سونے اور چاندی کا بنا ہوا تھا سرخ یاقوت اور جواہرات سے آراستہ تھا وہ سات کمروں کے اندر تھا اس پر سات تالے لگے ہوئے تھے۔

قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ جمہور کی قراءت یہی ہے۔ ابو رجاء اور عیسیٰ ثقفی نے اسے عفریۃ پڑھا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حدیث میں ہے "اللہ تعالیٰ عفریہ نفریہ کو ناپسند کرتا ہے" (1)۔ نفریہ کا لفظ عفریۃ کی اتباع میں آتا ہے۔ قتادہ نے کہا: بڑی مصیبت کو کہتے ہیں۔ نحاس نے کہا: شدید کو عفریہ کہتے ہیں جب اس کے ساتھ خبث ہو۔ وھاء عِفْر و عِفْرِیۃ و عِفْرِیت و عُفَارِیۃ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عفریت کا معنی رئیس ہے۔ ایک فرقہ نے قراءت کی قال عِفْرٌ عین کے نیچے کسرہ ہے؛ ابن عطیہ نے اس کی حکایت بیان کی ہے۔ نحاس نے کہا: جس نے عفریۃ کہا اس کی جمع عفار ہے جس نے کہا: عفریت، اس کی جمع میں تین صورتیں ہیں۔ اگر چاہے تو کہے: عفاریت اگر چاہے تو کہے: عفار کیونکہ تاء زائدہ ہے، جس طرح کہا جاتا ہے طواغ یہ طاغوت کی جمع ہے اگر چاہے تو تاء کی جگہ یاء لے آئے اور کہے: عفاری۔ شیطانوں میں سے عفریت اسے کہتے ہیں جو طاقتور اور سرکش ہو۔ تاء زائدہ ہے۔ عربوں نے کہا: تعفرت الرجل۔ جب اس نے اذیت پہنچانے والا رویہ

1۔ الفردوس الماثور، جلد 1، صفحہ 153

اپنایا۔ وہب بن منبہ نے کہا: اس عفریت کا نام کودن تھا۔ نحاس نے اس کا ذکر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا نام ذکوان تھا؛ سہیلی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ شعیب صبائی نے کہا: اس کا نام دعوان تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ صخر جنی تھا۔ اسی نام کے بارے میں ذی رمہ کا قول ہے:

كأنه كوكب فى اثر عفرية مُصَوَّبٌ فى سواد الليل مُنْقَضِبُ

گویا وہ عفریہ کے پیچھے ستارہ تھا۔

کسائی نے یہ شعر پڑھا:

إذ قال شيطانُهُمُ العِفريتُ ليس لكم مُلكٌ و لاتثبيتُ

جب ان کی عفریت شیطان نے کہا: تمہارے لیے کوئی ملک اور ثابت قدمی نہیں۔

حضرت ابوہریرہ سے صحیح میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "گزشتہ رات جنوں میں سے ایک سرکش جن مجھے دھوکہ دینے لگا تا کہ مجھ پر میری نماز کو قطع کر دے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت دی تو میں نے اسے شدید دھکا دیا" (1)۔ حدیث ذکر کی۔ بخاری شریف میں تفلّت علی البارحة کے الفاظ ہیں جو جعل یفتك کی جگہ ہیں۔ موطا میں یحییٰ بن سعید سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے وقت میر کرائی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سرکش جن کو دیکھا جو آگ کے ایک شعلہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طلب میں تھا جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ ہوتے تو اسے دیکھ لیتے۔ جبریل امین نے کہا: کیا میں آپ کو ایسے کلمات نہ سکھاؤں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کلمات پڑھیں تو اس کا شعلہ بجھ جائے تو اس کی ہڈی سے گوشت الگ ہو کر گر جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں۔ حضرت جبریل امین نے یہ کلمات بتائے: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْكَرِيْمِ وَ كَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِي لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَ شَرِّ مَا يَعْرُجُ وَ شَرِّ مَا ذَرَا فِي الْأَرْضِ وَ شَرِّ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَ مِنْ فِتَنِ اللَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ مِنْ طَوَارِقِ اللَّيْلِ وَ النَّهَارِ اِلَّا طَارِقًا يطرق بِخَيْرٍ يَا رَحْمٰنُ (2)

میں اللہ کریم اور اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ جن سے کوئی نیک اور فاجر تجاوز نہیں کرسکتا کی پناہ مانگتا ہوں اس شر سے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے اور اس شر سے جو آسمان کی طرف بلند ہوتی ہے اور اس کے شر سے جو زمین میں بوئی جاتی ہے اور اس شر سے جو زمین سے نکلتی ہے رات اور دن کے فتنوں سے، رات اور دن کے وقت آنے والوں سے مگر جو بھلائی لائے اے رحمٰن۔

اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ یعنی اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے جن میں آپ فیصلہ کرتے ہیں۔ وَ اِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ اس کے اٹھانے پر قوی اور اس میں جو کچھ ہے اس پر امین ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بیوی کی شرمگاہ پر امین ہوں؛ مہدوی نے یہ ذکر کیا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: میں اس سے بھی تیزی کا ارادہ کرتا ہوں۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ ووھبنا لداود سلیمان، جلد 1، صفحہ 487

2۔ موطا امام مالک، کتاب الجامع، باب ما یؤمر به من التعوذ عند النوم وغیرہ، صفحہ 722

قَالَ الَّذِیۡ عِنۡدَہٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡکِتٰبِ اَنَا اٰتِیۡکَ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡکَ طَرۡفُکَ اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ وہ فرد جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ آصف بن برخیا تھا۔ وہ بنی اسرائیل کا ایک فرد تھا، وہ صدیق تھا اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کا حافظ تھا جب اس اسم کے وسیلہ سے سوال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے جب اس اسم کے وسیلہ سے دعا کی جاتی ہے تو وہ قبول فرماتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ اسم اعظم جس کے وسیلہ سے آصف بن برخیا نے دعا کی تھی وہ یا حی یا قیوم تھا''۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان کی زبان میں اھیا شراھیا ہے۔ زہری نے کہا: جس کے پاس اسم اعظم تھا اس کی دعا یہ تھی یا الٰھنا و الٰہ کل شیء الٰھا واحدا لا الٰہ اِلا أنت ایتنی بعرشھا اے ہمارے الٰہ! اے ہر شے کے الٰہ! جو الٰہ واحد ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں میرے پاس اس کا عرش لے آ۔ تو وہ عرش اس کے سامنے تھا۔ مجاہد نے کہا: اس نے دعا کی اور یہ الفاظ کہے: یا الٰھہ و الٰہ کل شیء یا ذا الجلال و الاکرام سہیلی نے کہا: جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ آصف بن برخیا تھا وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خالہ زاد بھائی تھا۔ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے اسم اعظم تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حضرت سلیمان علیہ السلام خود تھے۔ سیاق کلام میں اس قسم کی تاویل صحیح نہیں۔ ایک جماعت نے کہا: وہ حضرت سلیمان علیہ السلام تھے اس تاویل کی صورت میں خطاب عفریت کو ہوگا جب یہ کہا: اَنَا اٰتِیۡکَ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ تَقُوۡمَ مِنۡ مَّقَامِکَ گویا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس میں دیری محسوس کی اور اسے تحقیر کے انداز میں کہا اَنَا اٰتِیۡکَ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡکَ طَرۡفُکَ یہ قول کرنے والے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں۔ ھٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ۔

میں نے کہا: ابن عطیہ نے جو ذکر کیا ہے نحاس نے وہ معانی القرآن میں کہا: ان شاء اللہ یہ اچھا قول ہے۔ بحر نے کہا: وہ فرشتہ تھا جس کے قبضہ قدرت میں کتاب المقادیر تھی۔ عفریت کے قول کے وقت اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو بھیجا۔ سہیلی نے کہا: محمد بن حسن مقری نے ذکر کیا ہے وہ ضبہ بن اد تھا۔ یہ کسی اعتبار سے بھی درست نہیں کیونکہ ضبہ وہ ابن اد بن طابخہ تھا۔ اس کا نام عمرو بن الیاس بن مضر بن بزار بن معد تھا۔ معد یہ بخت نصر کے دور میں تھا یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور کے طویل عرصہ بعد تھا۔ جب معد حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں نہ ہو تو ضبہ بن اد کیسے ہو سکتا ہے جو اس کے پانچ نسلوں بعد تھا؛ جو آدمی غور کرے یہ اس کے لیے واضح ہے۔

ابن لہیعہ نے کہا: وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ ابن زید نے کہا: جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ ایک صالح آدمی تھا جو سمندر کے جزیروں میں سے ایک جزیرہ میں رہتا تھا وہ اس روز زمین میں سکونت پذیر افراد کو دیکھنے کے لیے نکلا تھا؛ کیا اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے یا کہ نہیں۔ اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو پایا اس نے اللہ تعالیٰ کے نام کے وسیلہ سے دعا کی تو عرش لے آیا گیا۔ ساتواں قول ہے: یہ بنی اسرائیل کا ایک آدمی تھا اس کا نام یملیخا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم جانتا تھا؛ قشیری نے اسے ذکر کیا ہے۔ ابن ابی بزہ نے کہا: وہ آدمی جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس کا نام اسطوم تھا وہ بنی اسرائیل میں بڑا عبادت گزار تھا؛ غزنوی نے اسے ذکر کیا ہے۔ محمد بن منکدر نے کہا: وہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہی تھے۔ خبردار لوگ خیال کرتے ہیں ان کے پاس کوئی نام تھا یہ بات اس طرح نہیں۔ بنی اسرائیل کا ایک آدمی تھا جو عالم تھا اللہ تعالیٰ نے اسے علم

اور سمجھ عطا کر رکھی تھی اس نے کہا: اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ فرمایا: لے آ۔ اس نے عرض کی: آپ اللہ کے نبی ہیں اللہ کے نبی کے بیٹے ہیں، اگر آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو اللہ تعالیٰ اسے لے آئے گا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ اس عرش کو لے آیا۔

آٹھواں قول بھی ہے: وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے، یہ امام نخعی کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے اس تعبیر کی بنا پر علم الکتاب سے مراد کتب منزلہ کا علم ہے یا لوح محفوظ میں جو ہے اس کا علم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملکہ بلقیس کی طرف مکتوب کا علم۔ ابن عطیہ نے کہا: جس پر جمہور کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ وہ بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا جس کا نام آصف بن برخیا تھا۔ روایت بیان کی گئی ہے: انہوں نے دو رکعت نماز ادا کی پھر حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کی: اے اللہ کے نبی! اپنی نظر اٹھایئے، تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے نظر یمن کی طرف اٹھائی تو تخت دیکھا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی نظر واپس نہ کی مگر وہ تخت آپ کے پاس موجود تھا۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد اتنی طویل نظر ہے جس سے آنکھ تھک ہار کر واپس ہو جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد اتنا وقت ہے جس میں انسان آنکھ کھولتا ہے پھر پلک جھپکتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: افعل کذا فی لحظة عین میں یہ کام آنکھ جھپکنے کے وقت میں کر گزرتا ہوں۔ یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اگر یہ فعل حضرت سلیمان کی جانب سے ہو تو وہ معجزہ ہوتا ہے۔ اگر یہ آصف یا کسی اور ولی کی جانب سے ہوتا ہے تو یہ کرامت ہوگی۔ اور ولی کی کرامت نبی کا معجزہ ہوا کرتا ہے۔ قشیری نے کہا: جس نے یہ کہا: الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ سے مراد حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں تو اس نے اولیاء کی کرامت کا انکار کیا ہے۔ حضرت سلیمان نے عفریت سے کہا: اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ان کے نزدیک یہ کام عفریت نے نہیں کیا اس لیے نہ یہ معجزات میں سے ہے اور نہ ہی کرامات میں سے ہے کیونکہ جن تو اس قسم کے افعال کرنے پر قادر ہوتے ہیں ایک حال میں دو جگہ ایک جوہر کے متحقق ہونے کے بارے میں واقع ہونے کا قطعی حکم نہیں لگایا جاتا، بلکہ یہ تصور کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرق کی انتہا میں ایک جوہر کو معدوم کر دے پھر دوسری حالت میں اسے لوٹا دے عدم کے بعد، یہی حالت اقصی مغرب میں ہوتی ہے یا درمیانی اماکن کو وہ معدوم فرما دیتا ہے پھر اسے اٹھاتا ہے۔ قشیری نے کہا: وہب نے اسے امام مالک سے روایت کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے ہوا میں لایا گیا؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور عرش کے درمیان اتنا فاصلہ تھا جتنا فاصلہ کوفہ اور حیرہ کے درمیان تھا۔ امام مالک نے کہا: وہ تخت یمن میں تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام شام میں تھے۔ تفاسیر میں ہے ملکہ بلقیس کے عرش کی جگہ کو پھاڑا گیا پھر اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے نکالا گیا۔ عبداللہ بن شداد نے کہا: زمین کے نیچے سے ایک سوراخ سے عرش ظاہر ہوا۔ کیا ہوا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ آپ کے پاس ثابت تھا۔ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ یہ مدد اور قدرت میرے رب کے فضل سے ہے۔ لِيَبْلُوَنِيْٓ اخفش نے کہا: معنی ہے وہ مجھے دیکھے۔ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ دوسرے علماء نے کہا: لِيَبْلُوَنِيْٓ کا معنی ہے لیتعبدنی یہ مجاز ہے، ابتلاء کا اصل معنی آزمانا ہے، یعنی وہ مجھے آزمائے کہ میں اس کی نعمت کا شکر بجالاتا ہوں یا میں اس کی

ناشکری کرتا ہوں۔ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ اس کا نفع اس کی ذات کی طرف ہی لوٹتا ہے۔ شکر، تمام نعمت، اس کے دوام اور مزید نعمت کا تقاضا کرتا ہے شکر موجود نعمت کے لیے قید ہوتی ہے اور اس کے ساتھ مفقود نعمت کو حاصل کیا جاتا ہے۔ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ میرا رب شکر سے غنی ہے اور فضل و احسان فرمانے والا ہے۔

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَ اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَ كُنَّا مُسْلِمِيْنَ ۝ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝

"آپ نے حکم دیا: شکل بدل دو اس کے لیے اس کے تخت کی ہم دیکھتے ہیں کہ وہ حقیقت پر آگاہ ہوتی ہے یا یہ ہو جاتی ہے ان لوگوں سے جو حقیقت کو نہیں پہچانتے۔ سو جب وہ آئی تو اس سے پوچھا گیا: کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے۔ کہنے لگی: یہ تو ہو بہو وہی ہے اور ہمیں اطلاع مل گئی تھی اس واقعہ کی اس سے پہلے اور ہم تو فرمانبردار بن کر حاضر ہوئے ہیں اور روک رکھا تھا اسے (ایمان لانے سے) ان بتوں نے جن کی وہ عبادت کیا کرتی تھی اللہ تعالیٰ کے بعد، بے شک وہ قوم کفار سے تھی"۔

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا اس کی ہیئت بدل دو۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا اوپر والا حصہ نیچے کر دو اور نیچے والا حصہ اوپر کر دو۔ ایک قول یہ کیا گیا: کمی بیشی کے ساتھ اس کو تبدیل کر دو۔ فراء اور دوسرے علماء نے کہا: آپ نے اس کی ہیئت بدلنے کا حکم دیا کیونکہ شیاطین نے آپ سے عرض کی تھی: اس کی عقل میں خرابی ہے، تو آپ نے اسے آزمانے کا ارادہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جنوں کو خوف ہوا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس سے شادی کریں گے تو اس کے بطن سے حضرت سلیمان کا بیٹا پیدا ہوگا۔ تو وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی آل کے لیے ہمیشہ مسخر رہیں گے۔ انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کی: وہ عقل کی کمزوری ہے اس کا پاؤں اس طرح ہے جس طرح گدھے کا پاؤں ہوتا ہے۔ فرمایا: نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا تاکہ ہم اس کی عقل کو پہچان لیں۔ جنوں میں سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے مخلص بھی تھے۔ آپ نے پوچھا: میرے لیے اس کے قدم دیکھنا کیسے ممکن ہوگا جب کہ میں اس کو اس کے ننگے کرنے کا سوال بھی نہیں کر سکتا؟ عرض کی: میں اس محل میں پانی چھوڑ دیتا ہوں اور پانی کے اوپر شیشہ لگا دیتا ہوں وہ گمان کرے گی کہ یہ پانی ہے تو وہ اپنے کپڑے کو اوپر اٹھائے گی تو آپ اس کے قدم دیکھ لیں گے۔ یہی وہ صرح ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ فَلَمَّا جَآءَتْ مراد بلقیس ہے قِيْلَ اسے کہا گیا: اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ اس نے اسے اپنے عرش کے ساتھ تشبیہ دی، کیونکہ وہ اسے تالوں میں پیچھے چھوڑ آئی تھی نہ اس نے انکار کیا اور نہ اس کا اقرار کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اس کی کمال عقل سے آگاہ ہو گئے۔ عکرمہ نے کہا: وہ حکیمہ تھی اس نے کہا: كَاَنَّهٗ هُوَ مقاتل نے کہا: وہ پہچان گئی لیکن اس نے ان پر شبہ ڈالا جس طرح انہوں نے اس پر شبہ ڈالا تھا۔ اگر اسے کہا جاتا: کیا یہ تیرا عرش ہے؟ تو وہ کہتی: ہاں وہی ہے؛ حسن بن مفضل نے یہی قول کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اس کے سامنے یہ ظاہر کریں کہ جن آپ کے سامنے مسخر ہیں اسی طرح شیاطین مسخر ہیں تاکہ وہ جان

جائے کہ یہ نبوت ہے اور وہ ایمان لے آئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس کے مقابل ہے جو اس نے لڑکوں اور لڑکیوں کے معاملہ کو چھپانے کی کوشش کی تھی۔

وَ اُوْتِیْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بلقیس کا قول ہے، تخت کے بارے میں نشانی سے قبل ہی ہمیں یہ علم عطا کر دیا گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت صحیح ہے۔ وَ كُنَّا مُسْلِمِیْنَ ہم اس کے امر کی اطاعت کرنے والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں ہمیں علم عطا کیا گیا ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے یہ بات ہم کئی دفعہ کر چکے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ اُوْتِیْنَا الْعِلْمَ یعنی ہمیں بلقیس کے آنے سے قبل اس کے اسلام لانے اور مطیع بن کر آنے کا علم عطا کر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوم کا کلام ہے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ صَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ، مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ پر وقف اچھا ہے معنی ہے جو وہ سورج اور چاند کی عبادت کرتی تھی اس نے اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے روک دیا۔ مَا محل رفع میں ہے۔ نحاس نے کہا: معنی ہے اس کی غیر اللہ کی عبادت اور اس کی ان چیزوں کی عبادت نے اسے روک دیا کہ وہ وہ جانے جس کو ہم جانتے ہیں اور اس سے کہ وہ اسلام لائے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مَا محل نصب میں ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی وصدّھا سلیمان عما کانت تعبد من دون اللہ یعنی بلقیس کے درمیان اور اسلام کے درمیان رکاوٹ بن گئی۔ یہ بھی جائز ہے کہ معنی ہو وصدّھا اللہ، اللہ تعالیٰ نے اسے روک دیا کہ وہ غیر کی عبادت کرے۔ تو عن کو حذف کر دیا گیا اور فعل براہ راست متعدی ہو گیا۔ اس کی مثل واختار موسی قومہ ہے اصل میں من قومہ تھا۔ سیبویہ نے یہ شعر پڑھا ہے:

ونُبِّئْتُ عبدَاللّٰہ بالجوِّ أصبحتْ کِراماً موالیھا لئیماً صمیمُھا

یہ گمان کیا کہ اس کے نزدیک معنی ہے نبئت عن عبد اللہ۔

اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ سعید بن جبیر نے پڑھا اِنَّھا یہ محل نصب میں ہے معنی ہے لِأَنَّھا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ما کا بدل ہو۔ یہ محل رفع میں ہوگا اگر ما، صدّ کا فاعل ہو۔ اور ہمزہ کے نیچے کسرہ استئناف کے طریقہ پر ہو۔

قِیْلَ لَهَا ادْخُلِی الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَیْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ ۬ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۠۴۴

''اسے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو جاؤ پس جب اس نے دیکھا اس (کے بلوریں فرش) کو تو اس نے خیال کیا یہ گہرا پانی ہے اور اس نے کپڑا اٹھا لیا اپنی دونوں پنڈلیوں سے آپ نے فرمایا: (یہ پانی نہیں) یہ چمکدار محل ہے بلور کا بنا ہوا (اس کی آنکھیں کھل گئیں) کہنے لگی: اے میرے رب! میں (آج تک) ظلم ڈھاتی رہی اپنی جان پر اور (اب) ایمان لائی ہوں سلیمان کے ساتھ اللہ پر جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے''۔

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ سیبویہ کے نزدیک اس کی تقدیر کلام میں ہے ادخلی إلی الصرح، الی حرف جار کو حذف کر دیا گیا اور فعل کو براہ راست مفعول بہ میں عامل بنایا گیا۔ ابوالعباس اس نقطہ نظر میں اس کو غلط قرار دیتا ہے کہا: کیونکہ دخل، مدخول پر دلالت کرتا ہے اس محل کا صحن شیشے کا تھا جس کے نیچے پانی تھا جس میں کشتیاں تھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ کام اس لیے کیا تا کہ ملکہ بلقیس کو یہ دکھائے کہ آپ کا ملک اس کے ملک سے بڑھ کر ہے، یہ مجاہد کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: وہ شیشے کا تھا اس کے پیچھے پانی تھا حَسِبَتْهُ لُجَّةً، لجة کا معنی پانی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: صرح کا معنی محل ہے۔ ابوعبیدہ سے مروی ہے جس طرح کہا: تحسب أعلامهن الصروحا۔ اس مصرعہ میں الصروح سے مراد محلات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الصرح سے مراد صحن ہے جس طرح کہا جاتا ہے: هذه صرحة الدار وقاعتها دونوں کا معنی ایک ہے۔ ابوعبیدہ نے الغریب المصنف میں حکایت بیان کی ہے کہ صرح سے مراد ایسی اونچی عمارت ہے جو زمین سے بلند ہو۔ ممرد کا معنی طویل ہے۔ نحاس نے کہا: اس کی اصل یہ ہے کہ ہر ایسی عمارت جسے ایک ہی دفعہ بنایا گیا ہو اسے صرح کہتے ہیں۔ ان کا قول ہے: لبن صريح ایسا دودھ جس میں پانی کی آمیزش نہ ہو۔ عربوں کے قول سے ہے صرح بالامر، اسی سے ہی عربی صریح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ عمل اس لیے کیا تا کہ جنوں نے ملکہ بلقیس کے بارے میں جو قول کیا تھا اس کی تحقیق کریں کہ ملکہ بلقیس کی ماں جنوں میں سے تھی اور اس کا پاؤں گدھے کے پاؤں جیسا ہے؛ یہ قول وہب بن منبہ نے کیا ہے۔ جب اس نے گہرے پانی کو دیکھا تو گھبرائی اس نے گمان کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے غرق کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ اور اس پر تعجب کا اظہار کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی پانی پر ہے اس نے وہ چیز دیکھی جس نے اسے خوفزدہ کر دیا۔ اس کے لیے حکم کی طاعت کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا تو لوگوں میں سے سب سے خوبصورت پنڈلی والی تھی۔ جنوں نے جو کچھ کہا تھا اس سے وہ سالم تھی، مگر یہ تھا کہ اس کی پنڈلی پر بال زیادہ تھے۔ جب وہ اس حد تک پہنچی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے کہا جب کہ آپ نے اس سے نظر کو پھیر دیا تھا: اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ممرد سے مراد ہے جس کو رگڑ کر ملائم کر دیا گیا ہو اس سے امرد کا لفظ ہے تمرد الرجل یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب لڑکے کے بالغ ہونے کے بعد اس کی داڑھی دیر سے آئے؛ یہ فراء کا قول ہے اسی سے شجرة مرداء ہے جس کے پتے نہ ہوں۔ رملة مرداء ایسی ریت جو کسی چیز کو نہ اُگائے۔ ممرد کا معنی لمبی ہے قلعہ کو بھی مارد کہتے ہیں۔ ابوصالح نے کہا: کھجور کے درخت کی طرح طویل۔ ابن شجرہ نے کہا: وہ طول و عرض میں وسیع۔ شاعر نے کہا:

غدوتُ صباحا باكرا فوجدتهم قبيل الضحا فی السَّابریِّ الممرّد

میں صبح صبح چلا تو میں نے چاشت سے پہلے انہیں کھلی زرہوں میں پایا۔

اس موقع پر ملکہ بلقیس نے سر تسلیم خم کر دیا، اس نے اطاعت کی، وہ اسلام لے آئی اور اس نے اپنی جان پر ظلم کا اقرار کیا۔ جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے قدم دیکھے تو آپ نے شیاطین میں سے ناصح سے پوچھا: میرے لیے یہ کیسے ممکن ہوگا کہ جسم کو تکلیف دیئے بغیر میں ان بالوں کو اکھیڑ دوں؟ اس نے چونے کے استعمال کے

بارے میں بتایا۔ اس دن سے بال صفا پاؤڈر اور حمامات کا رواج ہے۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کرلی اور اسے شام میں ٹھہرایا، یہ ضحاک کا قول ہے۔

سعید بن عبد العزیز نے کتاب النقاش میں فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کرلی اور اسے ملک یمن کی طرف واپس بھیج دیا۔ آپ ہر ماہ ہوا کے دوش پر سوار ہوکر اس کے پاس آتے، ملکہ بلقیس نے ایک بچہ جنا جس کا نام حضرت سلیمان علیہ السلام نے داؤد رکھا جو آپ کے دور میں ہی فوت ہوگیا۔ بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بلکہ بلقیس جہاں بھر کی عورتوں میں سے سب سے خوبصورت پنڈلی والی تھیں وہ جنت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی زوجہ ہوں گی''۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: وہ مجھ سے زیادہ حسین پنڈلیوں والی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو جنت میں اس سے زیادہ خوبصورت پنڈلی والی ہوگی''۔ قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے حضرت ابو موسیٰ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حمامات سب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنوائے جب ان کی پشت دیوار کے ساتھ لگی تو اس کی گرمی محسوس ہوئی تو کہا: اواہ من عذاب اللہ پھر ملکہ بلقیس سے شدید محبت کی اور ملک یمن پر اسے باقی رکھا جنوں کو حکم دیا تو انہوں نے ملکہ بلقیس کے لیے تین قلعے بنائے لوگوں نے ان جیسے بلند قلعے نہیں دیکھے تھے سلحون، بینون اور عمران۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام ہر ماہ ایک دفعہ اسے ملنے کے لیے آتے اور تین دن اس کے پاس قیام کرتے۔ شعبی نے بیان کیا ہے کہ حمیر کے لوگوں نے مقبرہ ملوک کو کھودا تو انہوں نے اس میں ایک قبر پائی جس میں ایک عورت مدفون تھی جس پر سونے سے بنے حلے (دو چادروں پر مشتمل لباس) تھے۔ اس کے سر کی جانب سنگ مرمر کی ایک تختی تھی جس میں یہ لکھا ہوا تھا:

یأیها الأقوامُ عُوجُوا معا وأربعوا فی مَقْبَرِی العِيسَا

لتعلموا أَنِّی تلك التی قد كنتُ أُدعَى الدهر بَلْقِيسَا

شَيَّدْتُ قصرَ المُلْكِ فی حِمْيَرٍ قَوْمِی وقِدْمًا كان مأنوسا

وكنتُ فی مُلْكِی و تدبيره أَرْغِمُ فی الله المَعَاطِيسَا

بَعْلِی سليمانُ النبیُّ الذی قد كان للتوراة دِرِّيسَا

وسُخِّرَ الريحُ له مركبا تهبُّ أحيانا رَوَامِيسَا

مع ابن داؤد النبیّ الذی قَدَّسه الرحمنُ تَقْدِيسَا

اے اقوام! اکٹھے رہنا اور میرے مقبرہ میں اونٹ باندھنا تاکہ تمہیں علم ہو کہ میں وہ ہوں جسے زمانہ بلقیس کہتا تھا۔ میں نے حمیر ملک کے محل کو مضبوط کیا جب کہ میری قوم قدیم زمانہ سے مانوس تھی۔ میں اپنے ملک اور اس کی تدبیر کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ناکوں کو خاک آلود کردیتی۔ میرے خاوند حضرت سلیمان علیہ السلام تھے جو تورات کو پڑھنے والے تھے۔ ہوا کو ان کے لیے سواری کے طور پر مسخر کردیا گیا جو بعض اوقات قبروں پر چلتی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے کے ساتھ جس کی رحمٰن نے تقدیس بیان کی ہے۔

محمد بن اسحاق اور وہب بن منبہ نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی نہیں کی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے فرمایا: اپنے خاوند کو منتخب کر لے تو ملکہ بلقیس نے کہا: مجھ جیسی عورت نکاح نہیں کرتی میرے لیے ملک ہے جو پہلے سے ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اسلام میں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تو اس نے ہمدان کے بادشاہ کو پسند کیا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کی شادی اس سے کر دی اور اسے یمن کی طرف بھیج دیا۔ اور زوبعہ جو یمن کے جنوں کا امیر تھا اسے حکم دیا کہ وہ اس کی اطاعت کرے تو اس نے اس کے لیے کارخانے بنائے وہ امیر رہا یہاں تک کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا وصال ہو گیا۔ ایک قوم کا خیال ہے اس بارے میں کوئی صحیح خبر نہیں نہ اس بارے میں کہ خود شادی کی اور نہ اس بارے میں کہ آپ نے اس کی شادی کسی سے کی۔ ملکہ بلقیس کا شجرہ نسب یہ تھا بلقیس بنت سرح بن ہداہد بن شراحیل بن ادد بن حدر بن سرح بن حرس بن قیس بن صیفی بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح۔ اس کا دادا ہداہد عظیم بادشاہ تھا اس کے چالیس بیٹے ہوئے جو سب کے سب بادشاہ تھے یمن کا پورا علاقہ اس کی مملکت میں شامل تھا۔ اس کا والد سرح اطراف کے بادشاہوں کو کہتا: تم سب سے کوئی بھی میرے ہم پلہ نہیں، اس نے ان میں شادی کرنے سے انکار کر دیا، تو انہوں نے اس کی شادی جنوں کی ایک عورت سے کر دی جسے ریحانہ بنت سکن کہتے تو اس کی ایک بچی بلقمہ پیدا ہوئی اسے بلقیس کہتے ہیں اس بچی کے علاوہ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ملکہ بلقیس کے والدین میں سے ایک جن تھا'' (1)۔ اس کا باپ فوت ہوا تو اس پر قوم نے اختلاف کیا اور دو فرقوں میں بٹ گئی انہوں نے اپنے امور مملکت ایسے آدمی کے سپرد کیے جس کی سیرت بری تھی یہاں تک کہ اس نے اپنی رعیت کی عورتوں سے بدکاری کی، بلقیس کو غیرت نے آلیا اس نے اپنے آپ کو اس بادشاہ پر پیش کیا تو اس حاکم نے بلقیس سے شادی کر لی۔ بلقیس نے اسے شراب پلائی یہاں تک کہ اس کا سر کاٹا اور اپنے گھر کے دروازے پر اسے لٹکا دیا تو لوگوں نے اسے بادشاہ بنا لیا۔ ابو بکر نے کہا: ملکہ بلقیس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا تو فرمایا: لا یفلح قوم ولوا أمرھم إمرأۃ (2) کوئی ایسی قوم فلاح نہیں پا سکتی جنہوں نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کر دیا۔

ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اس کے باپ کے جنی سے شادی کرنے کا سبب یہ تھا کہ وہ ایک سرکش بادشاہ کا وزیر تھا جو رعیت کی عورتوں کو غصب کر لیتا۔ وزیر غیور تھا اس نے شادی نہ کی ایک دفعہ راستہ میں وہ ایک آدمی سے ملا جسے وہ پہچانتا نہیں تھا اس نے پوچھا: کیا تیری بیوی ہے؟ اس نے جواب دیا: میں کبھی بھی شادی نہیں کروں گا کیونکہ ہمارے ملک کا بادشاہ مردوں سے ان کی بیویوں کو غصب کر لیتا ہے۔ اس نے کہا: اگر تو میری بیٹی سے شادی کرے تو وہ اسے کبھی بھی غصب نہیں کرے گا۔ وزیر نے کہا: نہیں بلکہ وہ غصب کرے گا۔ اس نے کہا: ہم جنوں کی قوم سے تعلق رکھتے ہیں وہ ہم پر قادر نہیں ہو سکتا۔ ملکہ بلقیس کے باپ نے اس کی بیٹی سے شادی کر لی تو اس سے اس کی بیٹی بلقیس پیدا ہوئی پھر ماں مر گئی ملکہ بلقیس نے صحراء میں محل بنوایا غلطی سے بلقیس کے والد نے اس کا ذکر کیا۔ بادشاہ تک وہ خبر پہنچی بادشاہ نے اس سے کہا: اے فلاں! تیرے پاس وہ خوبصورت بیٹی

1۔ تفسیر طبری، پارہ نمبر 19، صفحہ 193

2۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب الفتنة التی تموج کموج البحر، جلد 2، صفحہ 1050

ہے جب کہ تو اسے میرے پاس نہیں لاتا اور تو عورتوں سے میری محبت کو خوب جانتا ہے پھر اس کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا۔ بلقیس نے بادشاہ کی طرف پیغام بھیجا: میں تیرے سامنے ہوں۔ بادشاہ نے اس کے محل کی طرف جانے کی تیاری کی۔ جب اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اندر داخل ہونے کا قصد کیا تو جنوں کی بیٹیاں جو سورج کی طرح روشن تھیں اس کے سامنے آ گئیں انہوں نے بادشاہ سے کہا: تجھے حیا نہیں آتی، ہماری مالکہ تجھے کہتی ہے: کیا تو ان لوگوں کے ساتھ اپنے اہل پر داخل ہوتا ہے تو بادشاہ نے لوگوں کو واپس جانے کی اجازت دے دی اور اکیلا داخل ہو گیا اس کے داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر دیا اور جوتیاں مار مار کر اسے قتل کر دیا اس کا سر کاٹا اور اس کے لشکر کی طرف اسے پھینک دیا، تو لوگوں نے ملکہ بلقیس کو اپنا حکمران بنا لیا۔ وہ اس طرح حکمران رہی یہاں تک کہ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی خبر پہنچا دی۔ اس کی وجہ یہ بنی جب حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے کسی پڑاؤ میں اترے ہدہد نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام فروکش ہونے میں مشغول ہو چکے ہیں تو وہ ہدہد آسمان کی طرف بلند ہوا تو اس نے دنیا کا طول وعرض دیکھ لیا اس نے زمین کو شمالاً جنوباً دیکھا اس نے بلقیس کا باغ دیکھا جس میں ہدہد موجود تھا۔ اس ہدہد کا نام عفیر تھا۔ یمن کے عفیر نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے یعفور سے کہا: تو کہاں سے آیا ہے؟ اور کہاں کا ارادہ رکھتا ہے؟ اس نے جواب دیا: میں شام سے اپنے مالک حضرت سلیمان بن داؤد کے ساتھ آیا ہوں۔ عفیر یمن نے پوچھا: کون سلیمان؟ اس نے جواب دیا: جنوں، انسانوں، شیاطین، پرندوں، وحشیوں، ہواؤں اور زمین وآسمان کے درمیان جو کچھ ہے ان کا بادشاہ۔ یعفور نے پوچھا: تو کہاں کا رہنے والا ہے؟ اس نے جواب دیا: ان شہروں کا جن کی بادشاہ ایک عورت ہے اسے بلقیس کہتے ہیں اس کے زیر حکومت بارہ ہزار چھوٹے حکمران ہیں؟ ہر حاکم کے زیر تسلط ایک لاکھ جنگجو ہیں جو عورتوں اور بچوں کے علاوہ ہیں وہ اس کے ساتھ گیا اور ملکہ بلقیس اور اس کے ملک کو دیکھا اور عصر کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف لوٹ آیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے نماز کے وقت اسے پوچھا تھا اور اسے نہ پایا تھا۔ وہ اس وقت پانی پر تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام پر سورج کی شعاع پڑی تو آپ نے پرندوں کے وزیر سے پوچھا: یہ کس کی جگہ ہے؟ عرض کی: اے اللہ کے نبی! یہ ہدہد کی جگہ ہے۔ پوچھا: وہ کہاں چلا گیا ہے؟ اس نے عرض کی: اللہ تعالیٰ تیرے ملک کو سلامت رکھے! میں نہیں جانتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام غصے ہو گئے۔ فرمایا: لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا پھر آپ نے عقاب کو بلایا وہ پرندوں کا سردار اور ان سے قوی تھا۔ عرض کی: اے اللہ کے نبی! کیا ارادہ رکھتے ہو؟ فرمایا: مجھے اسی وقت ہدہد چاہیے۔ عقاب نے اپنے آپ کو آسمان کی طرف بلند کیا یہاں تک کہ ہوا کے ساتھ جا لگا اس نے دنیا کی طرف دیکھا جس طرح تمہارے سامنے ایک پیالہ ہو، کیا دیکھا کہ ہدہد یمن کی جانب سے آ رہا ہے۔ وہ اس کی طرف نیچے آیا، اس میں اپنا پنجہ گاڑھا، ہدہد نے اسے کہا: میں تجھ سے اس اللہ کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں جس نے تجھے قدرت دی اور مجھ پر قوت عطا کی مگر تو مجھ پر رحم کرے۔ اس نے کہا: تیرے لیے ہلاکت ہو، تیری ماں تجھ پر روئے اللہ کے نبی نے قسم اٹھائی ہے کہ وہ تجھے عذاب دے گا یا تجھے ذبح کر دے گا۔ پھر وہ اسے لے آیا اس کا گدھوں اور باقی لشکر کے پرندوں نے استقبال کیا۔

سب نے یہی کہا: تیرے لیے ہلاکت ہو اللہ تعالیٰ کے نبی نے تجھے دھمکی دی ہے۔ ہد ہد نے کہا: میں کیا اور میری اوقات کیا ہے کیا آپ نے استثناء نہیں کی تھی؟ پرندوں نے کہا: کیوں نہیں۔ انہوں نے کہا: اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ پھر وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اپنا سر اٹھایا ہد ہد نے اپنی دُم اور پروں کو تواضع کی خاطر ڈھیلا چھوڑ دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: تو اپنی خدمت اور جگہ کو چھوڑ کر کہیں چلا گیا تھا میں تجھے عذاب دوں گا یا تجھے ذبح کروں گا۔ ہد ہد نے آپ سے عرض کی: اے اللہ کے نبی! جس وقت آپ اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں گے اس کو یاد کرو جس طرح میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی جلد کانپنے لگی، آپ کانپ گئے اور معاف کر دیا۔ عکرمہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہد ہد کو ذبح کرنے سے پھیر دیا کیونکہ ہد ہد اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والا تھا وہ کھانے کو ان کی طرف لے جاتا اور انہیں کھلاتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے کہا: کس چیز نے تجھے دیری میں ڈال دیا؟ تو ہد ہد نے وہی کہا جو اللہ تعالیٰ نے ملکہ بلقیس، اس کے عرش اور اس کی قوم کے بارے میں بتایا ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔

ماوردی نے کہا: یہ قول کہ بلقیس کی ماں جنی تھی یہ عقول کے لیے عجیب و غریب ہے کیونکہ جنس ایک دوسرے سے مختلف ہیں، طبیعتیں الگ الگ ہیں اور جنسوں میں فرق ہے کیونکہ آدمی جسمانی ہے، جن روحانی ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا ہے اور جنوں کو ایسے بھڑکنے والے شعلے سے پیدا کیا ہے جو آگ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس تباین کی موجودگی میں امتزاج ممتنع ہوتا ہے اور اس اختلاف کے ہوتے ہوئے تناسل محال ہے۔

میں کہتا ہوں: اس بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ عقل اس کو محال قرار نہیں دیتی، ساتھ ہی ساتھ روایت بھی واقع ہوئی ہے جب خلقت کی اصل کی طرف دیکھا جائے تو اس کی اصل پانی ہے جس طرح وضاحت گزر چکی ہے۔ اس میں کوئی بعید نہیں۔ قرآن حکیم میں ہے: وَ شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ (الاسراء: 64) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ لَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ (الرحمٰن) اس کی وضاحت سورۃ الرحمٰن میں آئے گی۔

قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ میں نے شرک پر قائم رہتے ہوئے اپنی جان پر ظلم کیا۔ ابن شجرہ نے کہا: سفیان نے کہا: وہ گمان اختیار کر کے ظلم کیا جو اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں گمان کیا کیونکہ جب ملکہ بلقیس کو محل میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا تو اس نے اسے پانی گمان کیا اور یہ گمان کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اسے غرق کرنا چاہتے ہیں۔ جب اس پر یہ امر واضح ہوا کہ یہ تو شیشے کا ملائم محل ہے تو اس کو علم ہو گیا کہ اس نے یہ گمان کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ اِنَّ کو کسرہ دیا کیونکہ قول کے بعد اس سے کلام کا آغاز ہوا۔ عربوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اسے فتحہ دیتے ہیں تو اس میں قول عمل کرتا ہے۔

وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ جب تو مع کو ساکن پڑھے تو یہ حرف ہے جو معنی کے لیے آیا ہے نحویوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ جب تو اس کو فتحہ دے گا تو اس میں دو قول ہیں (۱) یہ ظرف کے معنی میں اسم ہے (۲) حرف جر ہے مبنی بر فتحہ ہے: یہ نحاس نے کہا ہے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ

یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ یٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّیَّرْنَا بِكَ وَ بِمَنْ مَّعَكَ ۗ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾

''بے شک ہم نے رسول بنا کر بھیجا ثمود کی طرف اس کے بھائی صالح کو کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی تو وہ دو گروہ بن گئے (اور آپس میں) جھگڑنے لگے۔ صالح نے فرمایا: اے میری قوم! کیوں تیزی کرتے ہو برائی کرنے میں نیک کام کرنے سے پہلے تم کیوں نہیں بخشش طلب کرتے اللہ تعالیٰ سے شاید تم پر رحم کر دیا جائے۔ کہنے لگے: ہم تو براشگون سمجھتے ہیں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو، آپ نے فرمایا: تمہارا براشگون تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے بلکہ تم ایسی قوم ہو جو فتنہ میں مبتلا کر دی گئی ہے''۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ اس کا معنی گزر چکا ہے فَاِذَا هُمْ فَرِیْقٰنِ یَخْتَصِمُوْنَ مجاہد نے کہا: یعنی مومن اور کافر۔ کیا خصومت وہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ (الاعراف) ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کا جھگڑا یہ تھا کہ ہر فرقہ نے کہا: ہم حق پر ہیں تم حق پر نہیں۔

قَالَ یٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ مجاہد نے کہا: سیئۃ سے مراد عذاب اور حسنۃ سے مراد رحمت ہے۔ معنی ہے تم اس ایمان میں کیوں تاخیر کرتے ہو جو تمہاری طرف ثواب کھینچ کر لاتا ہے۔ اور کفر کو پہلے لاتے ہو جو عذاب کو لازم کرتا ہے کفار انکار کی زیادتی کی وجہ سے کہتے ہیں: ہمارے اوپر عذاب لے آؤ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم ایسے کام کیوں کرتے ہو جن کے باعث تم عتاب کے مستحق بنتے ہو اس کا مطلب یہ نہیں تم جلد عذاب کے آنے کی تلاش کرتے ہو۔

لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ تم شرک سے اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کیوں نہیں کرتے؟ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

قَالُوا اطَّیَّرْنَا بِكَ وَ بِمَنْ مَّعَكَ ہم نے فال بدلیا۔ شؤم کا معنی نحوست ہے۔ بدفالی سے بڑھ کر کوئی چیز رائے اور تدبیر کو نقصان پہنچانے والی نہیں۔ جو آدمی یہ گمان کرتا ہے کہ گائے کا ڈکارنا اور کوے کا کائیں کائیں کرنا قضا کو لوٹا سکتا یا مقدر چیز کو دور کر سکتا ہے تو جاہل ہے۔ شاعر نے کہا:

طِیرۃُ الدھر لا تَرُدُّ قضاءً فاعذر الدھرَ لا تشبه بلومِ

ائُ یوم یَخُصُّه بسعود والمنایا ینزلنا فی کل یومِ

لیس یومٌ اِلا وفیه سعودٌ و نحوسٌ تجری لقومٍ فقومِ

زمانہ کی بدفالی قضا کو لوٹا نہیں سکتی زمانہ سے معذرت کر لے تو اسے ملامت کے ساتھ تشبیہ نہ دے۔ کون سا دن ہے جو اسے سعادت مندی کے ساتھ خاص کرتا ہے جب کہ موتیں ہر دن نازل ہوتی ہیں۔ کوئی دن نہیں ہے مگر اس میں سعادت مندی

ہوتی ہے اور نحوست قوم کے لیے یکے بعد دیگرے واقع ہوتی ہے۔

عرب سب سے زیادہ فال پکڑنے والے تھے جب وہ سفر کا ارادہ کرتے تو پرندے کو اڑاتے جب وہ دائیں جانب اڑتا تو وہ باعث برکت ہوتا اور اگر وہ بائیں جانب اڑتا تو یہ بدبختی کی علامت ہوتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہی کی ہے۔ فرمایا: ”پرندوں کو اپنے گھونسلوں میں رہنے دو“(1)۔ اس کی وضاحت سورۂ مائدہ میں گزر چکی ہے۔

قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ تمہارا شگون تم تک پہنچنے والا ہے۔ **بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ** تمہارا امتحان لیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہیں تمہارے گناہوں کا عذاب دیا جائے گا۔

وَ كَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَ لَا يُصْلِحُوْنَ ﴿٤٨﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٤٩﴾

”اور اس شہر میں نو شخص تھے جو فتنہ و فساد برپا کیا کرتے تھے اس علاقہ میں اور اصلاح کی کوئی کوشش نہ کرتے، تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد کر لیں کہ شب خون مار کر صالح اور اس کے اہل خانہ کو ہلاک کر دیں گے پھر کہہ دیں گے اس کے وارث سے کہ ہم تو (سرے سے) موجود ہی نہ تھے جب انہیں ہلاک کیا گیا اور (یقین کرو) ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں“۔

وَ كَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ حضرت صالح علیہ السلام کے شہر میں جو حجرم ہے۔ **تِسْعَةُ رَهْطٍ** ان کے اشراف کی اولاد میں سے نو آدمی۔ ضحاک نے کہا: یہ نو افراد اہل مدینہ کے عظماء تھے۔ وہ زمین میں فساد برپا کرتے اور فساد کا حکم دیتے۔ وہ عظیم چٹان کے پاس بیٹھے تو اللہ تعالیٰ نے اس چٹان کو ان پر الٹ دیا۔ عطا بن ابی رباح نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے وہ دنانیر اور دراہم قرض کے طور پر دیتے یہ زمین میں فساد کی ایک صورت ہے؛ سعید بن مسیب نے یہ کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کا فساد یہ تھا وہ لوگوں کی شرمگاہوں کی تاڑ میں رہتے اور خود پر ستر عورت کا اہتمام نہ کرتے۔ اس کے علاوہ کا بھی قول کیا گیا ہے آیت سے جو لازم آتا ہے وہ وہ ہے جو ضحاک وغیرہ نے کہا ہے کہ وہ قوم کے سرداروں اور غنی لوگوں میں سے تھے۔ وہ سب کے سب اہل کفر اور اہل معاصی تھے۔ ان کے امر کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ فساد برپا کرتے تھے اور اصلاح احوال کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ **رَهْطٍ** جماعت کا نام ہے گویا وہ سردار تھے اور ان میں سے ہر ایک کی لوگ اتباع کیا کرتے تھے **رَهْطٍ** کی جمع أرهط اور أراهط ہے۔ شاعر نے کہا:

يا بؤس للحرب التي وضعت أراهط فاستراحوا

ہائے جنگ کی سختی جس نے کئی جماعتوں کو پست کر دیا تو انہوں نے آرام پایا۔

یہ مذکورہ لوگ قدار کے ساتھ تھے جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں؛ ابن عطیہ نے یہ ذکر کیا ہے۔

1۔ المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 25، صفحہ 168، حدیث نمبر 407

میں کہتا ہوں: ان کے اسماء میں اختلاف ہے۔ غزنوی نے کہا: ان کے نام یہ تھے قدار بن سالف، مصدع، اسلم، دسما، ذہیم، ذعما، ذعیم، قتال، صداق۔ ابن اسحاق نے کہا: ان کا سردار قدار بن سالف اور مصدع بن مہرع تھا سات افراد نے ان کی پیروی کی۔ وہ بلع بن میلع، دعیر بن غنم، ذواب بن مہرج اور چار افراد ایسے ہیں جن کے نام معروف نہیں۔ زمخشری نے وہب بن منبہ سے ان کے نام نقل کیے ہیں: ہذیل بن عبدرب، غنم بن غنم، رباب بن مہرج، مصدع بن مہرث، عمیر بن کردبہ، عاصم بن مخرمہ، سبیط بن صدقہ، سمعان بن صفی، قدار بن سالف؛ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹنے میں کوشش کی۔ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے سرکش لوگ تھے وہ ان کے معززین کے بیٹے تھے۔ سہیلی نے کہا: نقاش نے ان نو افراد کا ذکر کیا جو زمین میں فساد برپا کرتے تھے اور اصلاح احوال نہیں کرتے تھے اور ان کے اسماء ذکر کیے۔ یہ کسی روایت پر منضبط نہیں ہوتے مگر میں اجتہاد اور گمان سے اس کا ذکر کروں لیکن ہم اس کا ذکر کریں گے جن کو ہم نے محمد بن حبیب کی کتاب میں پایا ہے وہ مصدع بن دہر ہے اسے دہم کہا جاتا ہے، قدار بن سالف، ہریم، صواب، ریاب، داب، دعما، ہرما، دعین بن عمیر۔

میں نے کہا: ماوردی نے ان کے اسماء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیے ہیں وہ دعما، دعیم، ہرما، ہریم، داب، صواب، ریاب، مسطح اور قدار ہیں وہ حجر کے علاقہ کے لوگ تھے یہ شام کی سرزمین ہے۔

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ یہ جائز ہے کہ تَقَاسَمُوْا فعل امر پر دلالت کرتا ہو۔ یعنی انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: تم قسم اٹھاؤ۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ فعل ماضی ہو اور حال کا معنی دے رہا ہو۔ گویا کہا: متقاسمین باللہ اس تاویل کی دلیل حضرت عبداللہ کی قراءت ہے۔ یفسدون فی الارض ولا یصلحون تقاسموا باللہ اس میں قالوا نہیں ہے۔

لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ عام قراءت دونوں میں نون کے ساتھ ہے۔ ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے۔ حمزہ اور کسائی نے دونوں میں تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور تاء اور لام کو ضمہ دیا ہے۔ یہ خطاب کے طریقہ پر ہے یعنی انہوں نے اس طرح باہم خطاب کیا؛ ابو عبید نے اسے اختیار کیا ہے۔ مجاہد اور حمید نے دونوں جگہ یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یاء اور لام کو ضمہ دیا اس صورت میں یہ غائب کا صیغہ ہوگا۔ بیات سے مراد رات کے وقت دشمن پر اچانک حملہ کرنا ہے لِوَلِيِّهٖ سے مراد ہے حضرت صالح علیہ السلام کا خاندان جسے قصاص لینے کا حق ہے۔ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ یعنی ہم تو یہاں موجود ہی نہ تھے ہم نہیں جانتے کہ کس نے اس کو قتل کیا ہے اور کس نے اس کے اہل کو قتل کیا ہے؟ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ اس کے قتل کا جو ہم انکار کر رہے ہیں اس میں ہم سچے ہیں۔ مَهْلِكَ کا معنی ہلاک کرنا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ظرف کا صیغہ ہو۔ عاصم اور سلمی نے میم اور لام کو فتحہ دیا ہے مراد ہلاکت ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ضرب یضرب مضربا یہ ضربا کے معنی میں ہے۔ مفضل اور ابو بکر نے میم کے فتحہ اور لام کے جر کے ساتھ پڑھا ہے۔ تو یہ اسم مکان ہوگا جس طرح مجلس بیٹھنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مصدر ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ (الانعام: 60) یہاں مرجع سے مراد رجوع ہے۔

وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۵۰ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَ قَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۵۱ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۞ وَ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۞

''اور انہوں نے بھی خفیہ سازش کی اور ہم نے بھی خفیہ تدبیر کی اور وہ سمجھ ہی نہ سکے (ہماری تدبیر کو)۔ تم (خود ہی) دیکھ لو کیا (ہولناک) انجام ہوا ان کے مکر کا۔ ہم نے برباد کر کے رکھ دیا انہیں اور ان کی ساری قوم کو پس یہ ان کے گھر ہیں جو اجڑے پڑے ہیں ان کے ظلم کے باعث۔ بے شک اس میں عبرت ہے اس قوم کے لیے جو (کچھ) جانتی ہے اور ہم نے بچا لیا انہیں جو ایمان لائے تھے اور (اپنے رب سے) ڈرتے رہتے تھے''۔

وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ان کا مکر وہ تھا جو روایت بیان کی گئی ہے کہ اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں بتا دیا تھا کہ تین دنوں میں تم پر عذاب آ جائے گا۔ ان نو افراد نے اتفاق کیا اور قسم اٹھائی کہ وہ رات کے وقت حضرت صالح علیہ السلام کے گھر جائیں گے اور آپ کو اور آپ کے اہل کو قتل کر دیں گے۔ انہوں نے کہا: اگر وہ اپنی وعید میں جھوٹا ہے تو جس کا وہ مستحق ہے ہم نے اس پر واقع کر دیا ہے اگر وہ سچا ہے تو ہم نے اسے اپنے سے پہلے عذاب دے دیا اور اپنے نفوس کو شفا دے لی؛ یہ مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس رات فرشتے بھیجے انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر کو بھر دیا۔ وہ نو افراد اپنی تلواریں سونتے ہوئے حضرت صالح کے گھر آئے فرشتوں نے انہیں پتھر مار کر ہلاک کر دیا وہ پتھر دیکھتے تھے اور جو پتھر مار رہا ہے اسے نہیں دیکھتے تھے۔ قتادہ نے کہا: وہ تیزی سے حضرت صالح علیہ السلام کی طرف نکلے ان پر ایک فرشتہ مسلط کر دیا گیا جس کے ہاتھ میں چٹان تھی تو اس نے ان سب کو قتل کر دیا۔ سدی نے کہا: وہ ایسی جگہ اترے جو نیچے سے کھوکھلی تھی تو وہ قطعہ زمین ان پر آ پڑا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کے نیچے ہلاک کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حضرت صالح علیہ السلام کے گھر کے قریب چھپ گئے تو ان پر چٹان آ گری جس نے ان سب کو پیس دیا۔ یہ ان کا مکر تھا اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر یہ تھی کہ ان کو بدلہ دیا۔

فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَ قَوْمَهُمْ اَجْمَعِیْنَ چیخ کے ساتھ ان سب کو ہلاک کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام کی ہلاکت حضرت جبریل امین کی چیخ سے ہوئی۔ ظاہر بات یہ ہے کہ سب کی ہلاکت ایک عذاب سے ہوئی پھر باقی چیخ یا دمدم سے ہلاک ہوئے۔ اعمش، حضرت حسن بصری، ابن ابی اسحاق، عاصم، حمزہ اور کسائی انا پڑھا کرتے تھے۔ ابن انباری نے کہا: اس مذہب کی بنا پر عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ پر وقف اچھا نہیں کیونکہ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ، کان کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ تو اسے محل رفع میں رکھے یہ عاقبہ کی اتباع میں ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ تو اسے محل نصب میں رکھے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ کسائی کے قول کے مطابق یہ محل جر میں ہوگا مراد ہوگا بانا دمرناهم، ولانا دمرناهم اسے نصب دینا اس اعتبار سے بھی جائز ہے کہ تو اسے کیف کے محل کے اعتبار سے نصب دے اس اعتبار سے مَكْرِهِمْ پر عطف کرنا صحیح نہ ہوگا ابن کثیر، نافع اور ابو عمرو نے اسے اِنّا دمرناهم ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اس مذہب کی بنا پر مکرھم پر وقف اچھا نہیں۔ نحاس نے کہا: یہ جائز ہے کہ تو عاقبہ کو نصب دے کہ کان کی خبر ہے اور انا یہ محل رفع میں ہو اس اعتبار سے یہ کان کا اسم ہو یہ بھی جائز ہے

کہ یہ محل رفع میں ہو مبتدا مضمر ہو مقصد عاقبہ کی وضاحت ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی ھی أنا دمرناھم۔ ابو حاتم نے کہا: حضرت ابی کی قراءت میں أنا دمرناھم ہے یہ فتحہ کی تصدیق ہے۔

فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا خاویۃ میں عام قراءت نصب کے ساتھ ہے یہ حال ہے فراء اور نحاس کا نقطہ نظر ہے۔ وہ اپنے اہل سے خالی ہے، برباد ہے وہاں کوئی رہائش رکھنے والا نہیں۔ کسائی اور ابو عبیدہ نے کہا: خَاوِيَةًۢ منصوب ہے ماقبل سے اسے قطع کیا گیا ہے معنی ہوگا فتلك بیوتهم الخاویة، جب اس سے الف لام کو الگ کیا گیا تو حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہو گیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ (النحل: 52) عیسیٰ بن عمر، نصر بن عاصم اور جحدری نے اسے رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس بنا پر کہ یہ تلك کی خبر ہے۔ بیوتھم یہ تلك کا بدل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ بیوتھم عطف بیان ہو خاویۃ یہ تلك کی خبر ہو خاویۃ کا رفع اس بنا پر بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہو، یعنی ھی خاویۃ یا یہ بیوتھم سے بدل ہو کیونکہ نکرہ کو معرفہ سے بدلا گیا ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لائے وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور اس کے عذاب سے خوف کھاتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت صالح علیہ السلام پر چار ہزار افراد ایمان لائے۔ باقی کو مقاتل کے قول کے مطابق چنے کے دانے کے برابر پھنسی نکلی وہ پہلے روز سرخ تھی پھر اگلے روز وہ زرد ہو گئی پھر تیسرے روز وہ سیاہ ہو گئی اونٹنی کی کونچیں بدھ کو کاٹی گئیں اور ان کی ہلاکت اتوار کو ہوئی۔ مقاتل نے کہا: وہ پھوڑے خالص زرد رنگ کے ہو گئے۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام نے ان کے درمیان چیخ ماری تو وہ سب ٹھنڈے ہو گئے۔ یہ چاشت کا وقت تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام اور جو لوگ ان پر ایمان لائے تھے وہ حضر موت کی طرف نکلے جب حضر موت پہنچے تو حضرت صالح علیہ السلام کا وصال ہو گیا تو اس کا نام حضر موت ہو گیا۔ ضحاک نے کہا: پھر چار ہزار افراد نے شہر بسایا جسے حاضورا کہا جاتا؛ جس کی وضاحت اصحاب رس میں گزر چکی ہے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝

''اور یاد کرو لوط کو جب اس نے اپنی قوم کو فرمایا: کیا تم ارتکاب کرتے ہو بے حیائی کا حالانکہ تم دیکھ رہے ہوتے ہو۔ کیا تم جاتے ہو مردوں کے پاس شہوت رانی کے لیے (اپنی) بیویوں کو چھوڑ کر بلکہ تم تو بڑے نادان لوگ ہو۔ پس نہیں تھا آپ کی قوم کا جواب بجز اس کے کہ انہوں نے کہا: نکال دو آل لوط کو اپنی بستی سے یہ لوگ تو بڑے

پاکباز بنے پھرتے ہیں۔ سو ہم نے بچالیا لوط کو اور ان کے اہل خانہ کو سوائے ان کی بیوی کے ہم نے فیصلہ کر دیا اس کے متعلق وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہو گی۔ اور ہم نے ان پر خوب پتھر برسائے پس تباہ کن پتھراؤ تھا (بارہا) ڈرائے جانے والوں پر"۔

وَلُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ ہم نے لوط علیہ السلام کو بھیجا یا لوط علیہ السلام کو یاد کرو۔ اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ قوم سے مراد اہل سدوم ہیں۔ آپ نے اپنی قوم سے کہا اَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَةَ، فاحشہ سے مراد ایسا فعل ہے جو قبیح اور شنیع ہو۔ وَاَنۡتُمۡ تُبۡصِرُوۡنَ جب کہ تم دیکھتے ہو کہ یہ بے حیائی ہے۔ یہ تمہارا سب سے بڑا گناہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم ایک دوسرے کے پاس جاتے ہو جب کہ تم اسے دیکھ رہے ہوتے ہو۔ وہ سرکشی اور تمرد کی وجہ سے پردہ پوشی بھی نہ کرتے تھے۔ اَئِنَّكُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ شَهۡوَةً مِّنۡ دُوۡنِ النِّسَآءِ اس کی قباحت اور شناعت کی زیادتی کی وجہ سے اس کو دوبارہ ذکر کیا۔ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ تَجۡهَلُوۡنَ حرمت کے امر یا عقوبت کے امر سے ناواقف ہو۔ خلیل اور سیبویہ نے اَئِنَّكُمۡ میں دوسرے ہمزہ کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جہاں تک تحریر کا تعلق ہے تو اس میں قاعدہ یہ ہے کہ تمام صورتوں میں دو الف لکھے جائیں۔ کیونکہ یہ ہمزہ ہے جو کلام کے شروع میں ہے اور اس سے پہلے ہمزہ استفہام کا ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوۡمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَخۡرِجُوۡۤا اٰلَ لُوۡطٍ مِّنۡ قَرۡيَتِكُمۡ ۚ اِنَّهُمۡ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوۡنَ یہ مردوں کی دبر سے پاکیزہ بنتے ہیں۔ وہ یہ بات حضرت لوط علیہ السلام سے استہزاء کے طور پر کہا کرتے تھے: یہ مجاہد کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ کی قسم! انہوں نے بغیر کسی عیب کے ان پر عیب لگایا کہ یہ برے اعمال سے پاکیزہ بنتے ہیں۔

فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗۤ اِلَّا امۡرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرۡنٰهَا مِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ عاصم نے اسے پڑھا قدرنا یعنی تخفیف کے ساتھ پڑھا معنی ایک ہی ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: قدرت الشیء قدرا و قدرا و قدرتہ۔

وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ یہ انذر سے مشتق ہے اس نے انذار کو قبول نہ کیا۔ اس کی وضاحت سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں گزر چکی ہے۔

قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيۡنَ اصۡطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيۡرٌ اَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۵۹﴾ اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَاَنۡزَلَ لَكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهۡجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمۡ اَنۡ تُنۡۢبِتُوۡا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ يَّعۡدِلُوۡنَ ﴿۶۰﴾ اَمَّنۡ جَعَلَ الۡاَرۡضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنۡهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِىَ وَجَعَلَ بَيۡنَ الۡبَحۡرَيۡنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۱﴾

"فرمایئے: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور سلام ہو اس کے ان بندوں پر جنہیں اس نے چن لیا (بتاؤ) کیا اللہ بہتر ہے یا جنہیں وہ شریک بناتے ہیں۔ بھلا وہ کون ہے جس نے بنایا آسمانوں اور زمین کو اور جس نے

اتارا تمہارے لیے آسمان سے پانی پھر ہم نے اگائے اس پانی سے خوش منظر باغات، تمہاری طاقت نہ تھی کہ تم اگا سکتے ان کے درخت، کیا کوئی دوسرا خدا ہے اللہ کے ساتھ؟ بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو راہ راست سے پرے ہٹ رہے ہیں بھلا کس نے بنایا ہے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور جاری کر دیں اس کے درمیان نہریں اور بنا دیئے زمین کے لیے (پہاڑوں کے) لنگر اور بنا دی دو سمندروں کے درمیان آڑ، کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں''۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى فراء نے کہا: اہل معانی نے کہا: حضرت لوط علیہ السلام سے کہا گیا ان کی ہلاکت پر الْحَمْدُ لِلّٰهِ کہو۔ اس بات میں علماء کی ایک جماعت نے فراء کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے کہا: یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے، یعنی سابقہ کافر امتوں کی ہلاکت پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو۔ نحاس نے کہا: یہ سب سے بہتر قول ہے۔ کیونکہ قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اس میں جو کچھ ہے سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا ہے سوائے اس کے جس میں معنی غیر کے لیے ہی صحیح ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم کہو: الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى یہاں عباد سے مراد آپ کی امت ہے۔ کلبی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی معرفت اور طاعت کے لیے چن لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سفیان نے کہا: اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ ان آیات کی تلاوت کریں جو اس کی وحدانیت، ہر شے پر اس کی قدرت اور اس کی حکمت پر براہین ہیں اور آپ آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد اور اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے جو انبیاء اور چنے ہوئے ہیں ان پر سلام سے کریں اس میں تعلیم حسن ہے اور ادب جمیل پر آگاہی حاصل کرنا ہے دونوں کے ذکر سے برکت حاصل کرنے پر برانگیختہ کرنا ہے اور دونوں کے مکان سے آگاہی حاصل کرنا ہے کہ جو سامعین کو القا کیا جا رہا ہے اسے قبول کیا جائے اور اس کی طرف توجہ کی جائے اور اسے ان کے دلوں کے ہاں ایسے مقام پر رکھا جائے جسے سننے والا پسند کرتا ہے۔

علماء، خطباء اور واعظین کا نسل در نسل یہ معمول چلا آ رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پڑھتے ہیں جب بھی کسی فائدہ بخش علم کا ذکر کرنا ہو، نصیحت کرنی ہو یا خطبہ دینا ہو ان کے شروع میں یہ عمل کیا جاتا ہے۔ بعد کے لوگوں نے ان کی پیروی کی اور اپنی کتب کے اوائل میں یہ چیزیں ذکر کرتے ہیں خواہ وہ فتوحات سے تعلق رکھتی ہوں یا ایسے حادثات کے متعلق ہوں جس کی شان ہو۔

الَّذِيْنَ اصْطَفٰى جس کو اس نے چن لیا اپنی رسالت کے لیے، وہ انبیاء علیہم السلام ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (الصافات) آٰللّٰهُ خَيْرٌ ابو حاتم نے اسے دو ہمزوں کے ساتھ جائز قرار دیا ہے۔ نحاس نے کہا: ہم کسی کو نہیں جانتے کہ کسی نے اس کی موافقت کی ہو؟ یہ مدہ استفہام اور خبر کے درمیان فرق کرنے کے لیے آتی ہے یہ توقیف کا الف ہے۔ خَيْرٌ یہاں افضل منك کے معنی میں نہیں ہے، یہ شاعر کے اس قول کی مثل ہے:

أتهجوه ولست له بكفء فشر كما لخير كما الفداء

کیا تو اس کی ہجو کرتا ہے جب کہ تو اس کا ہم پلہ نہیں پس تم دونوں میں سے برا تم میں سے اچھے پر قربان ہے۔

اس کا معنی ہے تم میں سے جس میں شر ہے وہ اس پر قربان ہے جس میں خیر ہے۔ یہاں من کا معنی لینا جائز نہیں کیونکہ جب تو نے کہا: فلان شر من فلان تو دونوں میں سے ایک میں شر ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے بھلائی اس میں ہے یا اس میں ہے جس کو تم عبادت میں شریک کرتے ہو۔ سیبویہ نے حکایت بیان کی ہے السعادۃ أحب إلیک أم الشقاء۔ تجھے سعادت محبوب ہے یا بدبختی؛ جب کہ وہ جانتا ہے کہ سعادت اسے زیادہ محبوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اسم تفضیل کے باب سے ہے۔ معنی ہے اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر ہے یا وہ جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو، یعنی اس کا ثواب بہتر ہے یا جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو ان کا عقاب بہتر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں یہ فرمایا وہ اعتقاد رکھتے تھے کہ بتوں کی عبادت میں بہتری ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے اعتقاد کے مطابق خطاب فرمایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لفظ استفہام کا ہے اور اس کا معنی خبر یہ ہے۔ ابو عمرو، عاصم اور یعقوب نے اسے پڑھا یشرکون، یاء کے ساتھ تو اس وقت یہ خبر ہوگی۔ باقی قراء نے خطاب کا اعتبار کرتے ہوئے تاء کے ساتھ پڑھا ہے؛ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ نبی کریم ﷺ جب یہ آیت پڑھتے تو کہتے: بل اللہ خیر وابقی واجل واکرم۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ابو حاتم نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے آلھتکم خیر ام من خلق السموات والارض یہ بحث پہلے گزر چکی ہے معنی ہے جو ان چیزوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو وہ عبادت بہتر ہے یا اس ذات کی عبادت بہتر ہے جس نے زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کیا؟ تو یہ پہلے معنی کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ اس میں ان کے لیے توبیخ کا معنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ان کے معبودوں کے عجز پر تنبیہ ہے۔

فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ، حدیقہ اس باغ کو کہتے ہیں جس کے اردگرد دیوار ہو۔ بَهْجَةٍ سے مراد خوبصورت منظر ہے۔ فراء نے کہا: حدیقہ سے مراد وہ باغ ہے دیوار جس کی حفاظت کرے اگر دیوار نہ ہو تو اس کو بستان کہتے ہیں۔ وہ حدیقہ نہیں ہے۔ قتادہ اور عکرمہ نے کہا: حدائق سے مراد کھجور کے درخت ہیں جو خوبصورت منظر والے ہوں۔ بَهْجَةٍ سے مراد زینت اور حسن ہے جو بھی اسے دیکھتا ہے خوش ہو جاتا ہے۔

مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا، ما نافیہ ہے اس کا معنی فعل سے انہیں روکنا ہے یعنی بشر کو زیبا نہیں، یہ ان کے لیے تیار نہیں ہوتا، یہ ان کی قدرت کے تحت داخل نہیں کہ وہ اس کے درخت کو اگائیں کیونکہ وہ اس کی مثل سے عاجز ہیں کیونکہ اس سے مراد کسی شے کو عدم سے وجود کی طرف نکالنا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس سے یہ استدلال بھی کیا جاتا ہے کہ کسی شے کی تصویر بنانا منع ہے، خواہ اس کی روح ہو یا نہ ہو، یہ مجاہد کا قول ہے اس کی تائید نبی کریم ﷺ کا ارشاد بھی کرتا ہے: قال اللہ عزوجل ومن أظلم ممن ذھب یخلق خلقا کخلقی فیخلقوا ذرۃ او لیخلقوا حبۃ او لیخلقوا شعیرۃ(1)، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس آدمی سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو میری تخلیق

1۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم صورۃ الحیوان وتحریم اتخاذ ما فیہ صورۃ، جلد 2، صفحہ 202

جیسی تخلیق بناتا ہے پس چاہیے وہ ایک چیونٹی کو بنائیں، دانہ بنائیں یا جو بنائیں۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' پھر اس حدیث کو ذکر کیا۔ تو یہ ارشاد مذمت، دھمکی اور تقبیح میں ہر اس فرد کو عام ہے جو کہ ایسی شے کی تصویر بناتا ہے جسے اللہ تعالیٰ بنائے اور اس شے کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشابہت اختیار کرے اللہ تعالیٰ جس کی تخلیق میں منفرد ہے۔ یہ کلام واضح ہے۔ جمہور بھی اس طرف گئے ہیں کہ اس چیز کی تصویر بنانا جائز ہے جس میں روح نہ ہو۔ یہ جائز ہے اور اس کے ساتھ روزی کمانا بھی جائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس شخص سے فرمایا تھا جس نے آپ سے تصویر بنانے کے بارے میں پوچھا تھا: اگر تیرے لیے ان تصویروں کے بنانے کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو درختوں اور ایسی چیز کی تصویریں بناؤ جن میں روح نہیں۔ امام مسلم نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ منع کرنا بہتر ہے اس روایت کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ سورۂ سبا میں اس کی مزید وضاحت آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پھر توبیخ کے طریقہ پر کہا: ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود ہے جو اس امر پر اس کی مدد کرتا ہے؟ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ بلکہ وہ ایسی قوم ہیں جو غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کا ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حق اور میانہ روی سے اعراض کرتے ہیں یعنی وہ کفر کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الٰہ، مع کے ساتھ مرفوع ہے تقدیر کلام یہ ہے أمع اللہ ویلکم الٰہ۔ مَّعَ اللّٰهِ پر وقف کرنا اچھا ہے۔

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا قرار، مستقر کے معنی میں ہے وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا، خلال کا معنی وسط ہے جس طرح ارشاد باری تعالیٰ: فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ (الکہف) وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ اور اس سے مراد پہاڑ ہیں جو زمین کو روکے رکھتے ہیں اور حرکت سے منع کرتے ہیں۔ وَ جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا اس کی قدرت سے مانع تا کہ میٹھا، نمکین سے نہ مل جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حاجز کا معنی سلطان ہے، یعنی اپنی قدرت سے سلطان بنا دیا نہ یہ دوسرے کو تبدیل کرتا ہے نہ دوسرا پہلے کو تبدیل کرتا ہے۔ حجز کا معنی روکنا ہے ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ جب یہ ثابت ہے کہ اس پر کوئی غیر قادر نہیں تو وہ ان چیزوں کی کیوں عبادت کرتے ہیں جو نفع و نقصان نہیں دیتے؟ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی گویا وہ اللہ تعالیٰ سے جاہل ہیں وہ اسے نہیں جانتے جس کے لیے وحدانیت ثابت ہے۔

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾

''بھلا کون قبول کرتا ہے ایک بے قرار کی فریاد جب وہ اسے پکارتا ہے اور (کون) دور کرتا ہے تکلیف کو اور

(کس نے) بنایا ہے تمہیں زمین میں (اگلوں کا) خلیفہ کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تم بہت کم غور وفکر کرتے ہو۔ بھلا کون راہ دکھاتا ہے تمہیں بر و بحر کے اندھیروں میں اور کون بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لیے اپنی (باران) رحمت سے پہلے کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ برتر ہے اللہ تعالیٰ ان سے جنہیں وہ شریک بناتے ہیں۔ بھلا کون ہے جو آغاز کرتا ہے آفرینش کا پھر دوبارہ پیدا کرے گا اسے اور کون ہے جو رزق دیتا ہے تمہیں آسمان سے اور زمین سے؟ کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ؟ فرمائیے: (اے مشرکو!) پیش کرو اپنی کوئی دلیل اگر تم سچے ہو"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد سخت ضرورت والا ہے۔ سدی نے کہا: جس کے پاس کوئی حیلہ اور قوت نہیں۔ ذوالنون مصری نے کہا: جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا سے تعلقات ختم کر دیئے ہوں۔ ابو جعفر اور ابو عثمان نیشاپوری نے کہا: اس سے مراد مفلس ہے۔ سہیل بن عبداللہ نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کے لیے اپنے ہاتھ اٹھائے تو اس کے پاس طاعت سے کوئی وسیلہ نہ ہو جن کو وہ پیش کرے ایک آدمی مالک بن دینار کے پاس آیا اس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میرے لیے دعا کرنے میں مضطر ہو فرمایا: تو پھر اس سے سوال کر کیونکہ مضطر جب دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول کرتا ہے۔ شاعر نے کہا:

وإني لأدعو الله والأمرُ ضَيِّقٌ علىَّ فما ينفكُّ أن يتفرَّجا

ورُبَّ أخٍ سُدَّتْ عليه وُجوهُهُ أصاب لَها لما دعا الله مَخْرَجا

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں جب کہ معاملہ مجھ پر تنگ ہے وہ چھٹنے والا نہیں۔ کتنے ہی بھائی ہیں جن پر راستے بند کر دیئے گئے جب اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اس نے مخرج پا لیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ مسند ابی داؤد طیالسی میں ابو بکرہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور کی دعا کے بارے میں فرمایا: "اے اللہ! تیری رحمت کی میں امید کرتا ہوں مجھے ایک لحہ بھی میرے سپرد نہ فرما اور میرے تمام معاملات کی اصلاح فرما تیرے سوا کوئی معبود نہیں" (1)۔

مسئلہ نمبر 3۔ مجبور آدمی جب اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کرنے کی ضمانت اٹھائی ہے اپنے بارے میں اس امر کی خبر دی ہے اس میں سبب یہ ہے کہ اس کی بارگاہ میں پناہ کی ضرورت اخلاص سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اور غیر سے قلبی لگاؤ کے ختم ہونے میں جنم لیتی ہے۔ اخلاص کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا موقع اور شان ہوتی ہے۔ وہ مومن سے پایا جائے یا کافر سے، اطاعت شعار سے ہو یا فاجر سے ہو؛ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (2): حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب ما یقول الرجل اذا اصبح، جلد 2، صفحہ 338

2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 623

جَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ (یونس) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ (العنکبوت) ضرورت اور اخلاص کے وقت انہیں جواب دیا جب کہ اسے علم تھا کہ وہ شرک کی طرف لوٹ چلیں گے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (العنکبوت:65) اللہ تعالیٰ مضطر کی دعا کو قبول کرتا ہے جب وہ اضطرار اور اخلاص کا مظاہرہ کر رہا ہوتا ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے: ''تین دعائیں قبول ہوتی ہیں ان میں کوئی شک نہیں مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا اور والد جب اپنے بیٹے کے خلاف دعا کرے''۔ صاحب شہاب نے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے جب آپ ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کے علاقہ کی طرف بھیجا: فرمایا ''مظلوم کی بددعا سے بچو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب نہیں''۔ شہاب کی کتاب میں ہے مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ اسے بادل پر سوار کیا جاتا ہے (1)۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''میں تیری ضرور مدد کروں گا اگرچہ کچھ عرصہ بعد''۔ یہ روایت بھی صحیح ہے آجری حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت نقل کرتے ہیں: ''میں اسے واپس نہیں کرتا اگرچہ وہ کافر کے منہ سے نکلے'' (2)۔ مظلوم کی دعا کو قبول کرتا ہے کیونکہ اس کو اپنی ضرورت کے ساتھ اخلاص ہوتا ہے یہ سب کچھ اللہ کے کرم کے تقاضے کے مطابق ہوتا ہے اور اس کے اخلاص کو قبول کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے اگرچہ کافر ہو اسی طرح اگر وہ اپنے دین میں فاجر ہو فاجر کے فجور اور کافر کے کفر سے اس کے آقا (اللہ) کی مملکت میں کوئی نقص اور ضعف واقع نہیں ہوتا اور مضطر کے لیے جو وہ دعا قبول کرتا ہے اس میں کوئی مانع نہیں ہوتا مظلوم کی دعا اس کے ظالم کے خلاف کیسے قبول ہوتی ہے اس کی تفسیر یہ بیان کی گئی ہے چاہے تو اسے مغلوب کر دیتا ہے، اس سے بدلہ لیتا ہے یا اس پر کوئی اور ظالم مسلط کر دیتا ہے جو اس پر ظلم کرتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا (الانعام:129) اس کی دعا کے جلد قبول کرنے کو یوں مؤکد کیا۔ تحمل علی الغمام اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو معین فرماتا ہے کہ وہ مظلوم کی دعا کو لیں اسے بادل پر رکھیں اور اس کے ساتھ آسمان کی طرف بلند ہو جائیں آسمان دعاؤں کا قبلہ ہے تاکہ تمام ملائکہ اسے دیکھ لیں۔ اس سے مظلوم کی معاونت ظاہر ہوتی ہے اور اس کی دعا کی قبولیت فرشتوں کی جانب سے اس کی سفارش ہوتی ہے۔ مقصد اس پر رحم کرنا ہوتا ہے۔ اس میں ظلم سے ڈرانا مقصود ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، اس کی معصیت اور اس کے امر کی مخالفت ہے جب اس نے اپنے نبی کی زبان سے فرمایا یہ حدیث صحیح مسلم اور دوسری کتب میں ہے۔ یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلته بینکم محرما فلا تظالموا (3)، اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر لیا ہے میں نے اسے تمہارے درمیان حرام کر دیا ہے تم باہم ظلم نہ کیا کرو۔ مظلوم مجبور ہے، مسافر اس کے قریب ہے کیونکہ وہ اپنے اہل اور

1۔ الترغیب والترہیب، باب الترہیب من الظلم و دعاء المظلوم، جلد 3، صفحہ 188 2۔ ایضاً

3۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم الظلم، جلد 2، صفحہ 319

وطن سے الگ تھلگ ہوتا ہے، دوست اور حمایتی سے الگ تھلگ ہوتا ہے اس کی اجنبیت کی وجہ سے اس کا دل کسی مددگار سے سکون نہیں پاتا۔ مولیٰ کی بارگاہ میں اس کی ضرورت سچی ہوتی ہے اور پناہ لینے میں وہ اخلاص کا مظاہرہ کرتا ہے مضطر آدمی جب دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔ اسی طرح والد جب اپنے بیٹے کے بارے میں بددعا کرتا ہے وہ بددعا اس سے صادر نہیں ہوتی جب کہ والد کی اپنی اولاد پر شفقت ومہربانی معلوم ومعروف ہے مگر اس وقت وہ بددعا کرتا ہے جب وہ کامل طور پر عاجز ہو جائے اور اس کی ضرورت میں صداقت ہو اور اپنے بیٹے کی طرف سے نیکی سے بالکل مایوس ہو جائے، جب کہ ساتھ ہی ساتھ اس کی طرف سے اذیت ہو پس اس صورت میں اس کی دعا کو جلد قبول کرنا ہی مناسب وموزوں ہے۔

وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ سوٗ کا معنی تکلیف ہے۔ کلبی نے کہا: اس کا معنی ظلم ہے۔ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ خلفاء سے مراد مکین ہیں وہ ایک قوم کو ہلاک فرما دے اور دوسری کو پیدا فرما دے۔ کتاب نقاش میں ہے یعنی وہ تمہاری اولادوں کو تمہارا نائب بناتا ہے۔ کلبی نے کہا: کفار کا نائب بناتا ہے۔ مومن ان کی زمینوں میں جا کر فروکش ہوتے ہیں اور ان کے کفر کے بعد اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ یہ توبیخ کے طریقہ پر کہا گویا فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے تم ہلاک ہو۔ اِلٰهٌ یہ مَعَ کے ساتھ مرفوع ہے یہ بھی جائز ہے کہ یہ اضمار کے ساتھ مرفوع ہو تقدیر کلام یہ ہوگی أإلٰہ مع اللہ یفعل ذلك فتعبدوه۔ مَّعَ اللّٰهِ پر وقف اچھا ہے۔

قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ابو عمرو، ہشام اور یعقوب نے یذکرون یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (النحل) وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (یونس) ماقبل اور مابعد کے بارے میں خبر دی۔ ابوحاتم نے اسے اختیار کیا ہے۔ باقی قراء نے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے: ویجعلکم خلفاء الارض۔

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ تمہاری سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرے۔ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ جب تم شہروں کی طرف سفر کرتے ہو تو تم رات اور دن میں ان کی طرف متوجہ ہوتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا: خشکی کے جنگلوں کو بنایا کہ ان کے راستوں کی کوئی علامت نہیں اور سمندر کی موجیں گویا وہ تاریکیاں ہیں کیونکہ ان میں کوئی علامت نہیں ہوتی جس کی مدد سے رہنمائی حاصل کی جاسکے۔

وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ، بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ سے مراد بارش سے پہلے۔ اس پر اہل تاویل کا اتفاق ہے ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ جو ایسا کرتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اللہ تعالیٰ ان بتوں سے بلند وبالا ہے جن کو وہ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وہ اقرار کرتے ہیں کہ وہی خالق ورازق ہے۔ پس ان پر اعادہ کو لازم کیا۔ جب وہ ابتدا پر قادر ہے تو بدیہی بات ہے کہ وہ دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے دوبارہ اٹھانا اس کے لیے زیادہ آسان ہے۔ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور الٰہ بھی ہے جو پیدا کرتا ہے، رزق دیتا ہے، پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور دوبارہ اٹھائے گا۔ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ کوئی دلیل لاؤ کہ واقعی میرا کوئی شریک ہے یا کوئی ایسی دلیل لاؤ جو اس امر کو ثابت کرے کہ ان اشیاء میں سے کسی

شے کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور نے بھی پیدا کیا ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم سچے ہو۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝٦٥ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۫ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ۝٦٦ؑ

"آپ فرمائیے (خود بخود) نہیں جان سکتے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں غیب کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور وہ (یہ بھی) نہیں سمجھتے کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا بلکہ گم ہو گیا ان کا علم آخرت کے متعلق بلکہ وہ تو اس کے بارے میں شک میں ہیں بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں"۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ بعض سے مروی ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے غیب کو مخلوق سے مخفی رکھا کوئی اس پر مطلع (1) نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت کریمہ مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے برپا ہونے کے بارے میں سوال کیا۔ مَنْ محل رفع میں ہے معنی ہے کہہ دیجئے: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب کو نہیں جانتا۔ کیونکہ لفظ اللہ اسم جلالت مَنْ کا بدل ہے، یہ زجاج اور فراء کا قول ہے۔ اِلَّا کے مابعد کو رفع دیا کیونکہ اس سے ماقبل کلام منفی ہے جس طرح اس کا قول ہے ما ذهب احد الا ابوك معنی ایک ہی ہے۔ زجاج نے کہا: جس نے اس کو نصب دی ہے اس نے استثناء کے طور پر نصب دی ہے۔ نحاس نے کہا: جو آدمی منجم کی تصدیق کرتا ہے میں نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے سنا کہا: مجھے خوف آتا ہے کہ وہ آیت کی وجہ سے کفر کا ارتکاب کر رہا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ بحث سورۃ الانعام میں مفصل گزر چکی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جس نے یہ گمان کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کہ کل کیا ہو گا تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔ امام مسلم نے اسے نقل کیا ہے۔ یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ حجاج کے پاس ایک منجم آیا حجاج نے اسے روک لیا پھر کنکریاں لیں اور انہیں گنا پھر پوچھا: میرے ہاتھ میں کتنی کنکریاں ہیں؟ منجم نے حساب لگایا پھر کہا: اتنی۔ تو درست جواب دیا پھر اسے روک لیا کنکریاں لیں انہیں شمار نہ کیا پوچھا: میرے ہاتھ میں کتنی کنکریاں ہیں؟ اس نے حساب لگایا تو غلطی کی پھر حساب لگایا تو غلطی کی پھر اس نے کہا: اے امیر! میرا گمان ہے تو عدد کو نہیں جانتا۔ حجاج نے کہا: نہیں۔ نجومی نے کہا: تو پھر میں صحیح جواب نہیں دے سکتا۔ اس نے کہا: وجہ کیا ہے؟ نجومی نے کہا: اگر تو انہیں شمار کر لیتا تو یہ غیب کی حد سے نکل جاتا انہیں تو نے شمار نہیں کیا تو یہ غیب ہے قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ یہ بحث سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے۔

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ یہ اکثر قراء کی قراءت ہے: ان میں عاصم، شیبہ، نافع، یحییٰ بن وثاب، اعمش، حمزہ اور کسائی

1۔ بے شمار غیب کے امور ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے چنے ہوئے بندوں کو آگاہ کیا تو یہ مراد درست ہو گی کہ اس کے بتائے بغیر کوئی نہیں جانتا۔

ہے۔ ابوجعفر، ابن کثیر، ابوعمرو اور حمید نے بَلِ اَدْرَكَ قراءت کی ہے یہ ادراک سے مشتق ہے۔ عطا بن یسار، اس کے بھائی سلیمان بن یسار اور اعمش نے اسے بل ادَّرَكَ، ہمزہ کے بغیر اور مشدد پڑھا ہے۔ ابن محیصن نے بل أادَّرَكَ استفہام کے طریقہ پر قراءت کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بلی قراءت کی یعنی یاء کو ثابت رکھا۔ ادارك ہمزہ قطعی ہے دال مشدد ہے اس کے بعد الف ہے۔ نحاس نے کہا: اس کی اسناد اسناد صحیح ہے یہ شعبہ کی حدیث سے ہے جسے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تک مرفوع نقل کرتے ہیں۔ ہارون قاری نے روایت نقل کی ہے: ابی کی قراءت بل تدارك علمهم ہے۔ ثعلبی نے حکایت کی ہے ابی کی قراءت میں أم تدارك ہے عرب ام کی جگہ بل اور بل کی جگہ امر رکھتے ہیں جب کلام کے شروع میں استفہام ہو۔ جس طرح شاعر کا قول ہے:

فواللہ لا أدری أسلمی تغوّلت أم القول أم کل إلی حبیب

یہاں ام کل، بل کل کے معنی میں ہے۔ نحاس نے کہا: پہلی قراءت اور آخری قراءت کا معنی ایک ہی ہے۔ کیونکہ اذّراك کا اصل تدارك ہے دال کو تاء میں ادغام کیا اور الف وصل کو لائے۔ اس کے معنی میں دو قول ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے بلکہ ان کا علم آخرت میں مکمل ہو گیا کیونکہ انہوں نے جب ہر چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا جن کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا تو اس کے متعلق ان کا علم مکمل ہو گیا۔ دوسرا قول یہ ہے معنی ہے آخرت کے بارے میں ان کا علم آج پے در پے ہے۔ انہوں نے کہا: وہ ہوگی اور انہوں نے کہا: نہیں ہوگی۔ اس کی دوسری قراءت میں بھی دو معنی ہیں (ا) اس کا معنی ہے آخرت میں کامل ہو گیا؛ یہ پہلے کی مثل ہے۔ مجاہد نے کہا: آخرت کے بارے میں ان کا علم احاطہ کرنے والا ہے، وہ اسے جانتے ہیں جب وہ اسے دیکھیں گے اس وقت اس کا علم انہیں کوئی نفع نہ دے گا، کیونکہ وہ دنیا میں جھٹلانے والے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ انکار کے طریقہ پر ہے؛ یہ ابو اسحاق کا مذہب ہے۔ اس قول کی صحت پر یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اس کے بعد بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ یعنی ان کا علم آخرت کے علم کا احاطہ کرنے والا نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ ان کا آخرت کے بارے میں علم کم ہو گیا اور غائب ہو گیا ان کا اس میں کوئی علم نہیں۔ تیسری قراءت بل اذرك یہ بل اذارك کے معنی میں ہے۔ بعض اوقات افتعل اور تفاعل ایک ہی معنی میں ہوتے ہیں اس وجہ سے اذدوجوا کا لفظ صحیح ہوتا ہے جب وہ تزاوجوا کے معنی میں ہو۔ چوتھی قراءت: اس میں ایک ہی قول ہے: اس میں انکار کا معنی پایا جاتا ہے جس طرح تو کہتا ہے: أأنا قاتلتك ؟ تو معنی ہوگا اس نے ادراک نہ کیا؛ اسی کی طرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قراءت لوٹتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بلی ادارك علمهم فی الآخرة یہ لم يدرك کے معنی میں ہے۔ فراء نے کہا: یہ اچھا قول ہے گویا بعث کے انکار والوں کی طرف استہزاء کو متوجہ کیا۔ جس طرح تیرا ایسے آدمی کے بارے میں قول جس کو تو جھٹلاتا ہے: بلی لعمری قد ادركت السَّلَفَ فأنت تروی مالا أروی کیوں نہیں تو نے اسلاف کو پایا تو روایت کرتا ہے جو میں روایت نہیں کرتا جب کہ تو اس کو جھٹلا رہا ہوتا ہے۔ ساتویں قراءت: بل اذرك ہے لام پر فتحہ ہے فتحہ کی طرف۔ اس لیے عدول کیا ہے کیونکہ یہ خفیف ترین حرکت ہے۔ قطرب سے اس کی مثل قُمِ الَّيْلَ (المزمل: 2) میں مروی ہے، کیونکہ اس میں فتحہ کی طرف عدول کیا گیا ہے۔ اسی طرح وَبِعَ الثوب وغیرہ میں ہے۔ زمخشری نے کتاب

میں کہا: بل اَدَّرَكَ دو ہمزوں کے ساتھ اسے پڑھا گیا ہے اسی طرح بل آادرك درمیان میں الف ہے بل أَادرك، أم تدارك، أم أدرك یہ بارہ قرا ئتیں ہیں۔ پھر قراءتوں کی صورتوں کی علتیں بیان کیں۔ کہا: اگر تو کہے بل أادرك استفہام کے ساتھ قراءت کی کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا: یہ استفہام انکار کے طریقہ پر ہے ان کے علم کے ادراک کی وجہ سے۔ اسی طرح جس نے پڑھا امر ادرك اور أم تدارك کیونکہ یہ ام ہے جو بل اور ہمزہ کے معنی میں ہے۔ جس نے پڑھا بل اادرك استفہام کے طریقہ پر تو معنی ہوگا کیوں نہیں وہ شعور رکھتے ہیں کہ کب ان کو اٹھایا جائے گا؟ اس کے وقوع کے وقت ان کے علم کا انکار کیا۔ جب اس کے واقع ہونے کے وقت اس کے علم کا انکار کیا تو اس کے وقوع کے وقت کا شعور انہیں حاصل نہ ہوا کیونکہ کسی ہونے والی چیز کے وقت کا علم اس چیز کے ہونے کے علم کے تابع ہے۔ فِي الْاٰخِرَةِ یعنی آخرت کے متعلق۔

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا یعنی دنیا میں اس کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں: بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ بلکہ وہ اس کے بارے میں دل سے اندھے ہیں۔ اس کا واحد عمو ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عم ہے اصل میں عميون تھا اجتماع ساکنین کی وجہ سے یاء کو حذف کیا گیا حرکت کے ثقیل ہونے کی وجہ سے حرکت دینا جائز نہیں۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

”اور کفار کہنے لگے: کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادا بھی تو کیا ہمیں (پھر) نکالا جائے گا۔ بے شک قیامت کے آنے کا وعدہ ہم سے بھی کیا گیا اور ہمارے باپ دادا سے بھی اس سے پہلے نہیں ہے یہ وعدہ مگر پہلے لوگوں کے من گھڑت افسانے“۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا یعنی مشرکین مکہ۔ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ نافع یہاں اور سورۂ عنکبوت میں اسی طرح قراءت کیا کرتے تھے۔ ابو عمرو نے دونوں استفہاموں کے ساتھ پڑھا ہے مگر ہمزہ میں تخفیف کی ہے۔ عاصم اور حمزہ نے دو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے مگر دونوں ہمزہ کو ثابت رکھتے ہوئے پڑھا ہے۔ دونوں صورتوں میں جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ سب ایک ہی ہے۔ کسائی، ابن عامر، رویس اور یعقوب نے ائذا دو ہمزوں کے ساتھ قراءت کی ہے۔ اِنّنا دو نونوں کے ساتھ اس صورت میں خبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ سورۂ عنکبوت میں دو استفہاموں کے ساتھ ہے۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: قراءت إذا كنا ترابا و آباؤنا ائننا لمخرجون خط کی مواقفت، بہت اچھی ہے۔ ابو حاتم نے اس میں اس کے ساتھ معارضہ کیا ہے اور کہا یہ اس کے کلام کا معنی ہے۔ اذا استفہام نہیں آئنا استفہام ہے اس میں ان ہے تو یہ کیسے جائز ہے کہ وہ اس میں عمل کرے جو اس سے قبل استفہام کی حیز میں ہے؟ جب اس میں یہ استفہام ہو تو پھر یہ بہت ہی بعید ی صورتحال ہوگی جب اس کے بارے میں سوال ہو تو یہ اس وجہ سے مشکل ہوگا جو ہم نے ذکر کیا۔

ابو جعفر نے کہا: میں نے محمد بن ولید کو کہتے ہوئے سنا ہم نے ابو العباس سے قرآن کی آیت میں موجود ایک مشکل کے بارے میں سوال کیا وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ

مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۟ (سبا) کہا اذا میں ینبئکم کا عمل محال ہے، کیونکہ وہ اس وقت انہیں آگاہ کرے گا۔ اگر اس میں ان کا مابعد اس میں عمل کرے تو معنی صحیح ہوگا اور لغت عرب میں غلط ہے کہ ان کا ماقبل اس کے مابعد میں عمل کرے یہ واضح سوال ہے۔ میری رائے تھی کہ اسے اس سورت میں ذکر کیا جائے جہاں یہ آیت ہے جہاں تک ابو عبید کا تعلق ہے تو وہ نافع کی قراءت کی طرف مائل ہوا ہے اور جنہوں نے دونوں استفہاموں کو جمع کیا ہے ان کا رد کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے: اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ (آل عمران: 144) اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: اَفَاۡىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۟ (الانبیاء) سے استدلال کیا ہے؛ یہ ابو عمرو، عاصم، حمزہ، طلحہ اور اعرج کا رد ہے۔ اس سے کوئی چیز لازم نہیں آتی اور آیت میں جو کچھ آیا ہے اس کے مشابہ بھی کوئی چیز نہیں دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ شرط اور اس کا جواب دونوں ایک شے کے قائم مقام ہیں۔ اَفَاۡىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ کا معنی ہے أفإن مِتَّ خلدوا اس کے مثل ازید منطلق ہے یہ نہیں کہا جاتا أزیدا منطلق کیونکہ یہ دونوں ایک چیز کے قائم مقام ہیں آیت اس طرح نہیں کیونکہ دوسرا جملہ مستقل جملہ ہے۔ اس میں استفہام درست ہے اور پہلا جملہ بھی مستقل کلام ہے اس میں بھی استفہام درست ہے۔ جس نے دوسرے سے استفہام کو حذف کیا اور پہلے میں ثابت رکھا تو اس نے پڑھا ائذا کنا ترابا و اباؤنا اننا دوسرے سے اسے حذف کر دیا کیونکہ کلام میں اس پر دلیل ہے جو انکار کے معنی میں ہے۔

لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ سورۂ مومنون میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ انبیا تحذیر میں مبالغہ کے لیے بعث کے معاملہ کو قریب کرتے پیش کرکے تھے ہر وہ چیز جو آنے والی ہو وہ قریب ہی ہوا کرتی ہے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۟ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۟ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۟

”آپ فرمائیے: سیر و سیاحت کرو زمین میں، پھر اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ کیسا ہولناک انجام ہوا مجرموں کا (اے محبوب!) آپ غمزدہ نہ ہوں ان (کے رویہ) پر اور دل تنگ نہ ہوا کریں ان کے مکر و فریب سے۔ اور وہ پوچھتے ہیں کب (پورا ہوگا) یہ وعدہ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو“۔

ان کافروں سے کہو: شام، حجاز اور یمن کے علاقوں میں گھومو، پھرو! اپنے دل اور آنکھوں سے دیکھو جو لوگ رسولوں کو جھٹلاتے ہیں ان کا انجام کیسے ہوا۔ اگر کفار مکہ ایمان نہیں لاتے تو غمگین نہ ہوں اور جو وہ کرتے ہیں ان پر تنگ دل نہ ہوں۔ یہ استہزاء کرنے والوں کے حق میں آیت نازل ہوئی جنہوں نے مکہ مکرمہ کے عذاب کے بارے میں قسم اٹھائی تھی۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا تھا اسے ضِیق کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ سورۂ نحل کے آخر میں بحث گزر چکی ہے۔ وہ کہتے ہیں: وہ کون سا وقت ہے جب ہم پر عذاب آئے گا کیونکہ ہم نے جھٹلایا ہے اگر تم سچے ہو؟

قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۟ وَاِنَّ رَبَّكَ

لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ۝ وَ مَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

''آپ فرمائیے: قریب ہے کہ تمہارے پیچھے آ گیا ہو اس عذاب کا کچھ حصہ جس کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو۔ اور بے شک آپ کا رب بہت فضل (وکرم) فرمانے والا ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔ اور یقیناً آپ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور نہیں کوئی پوشیدہ چیز آسمان اور زمین میں مگر اس کا بیان کتاب مبین میں موجود ہے''۔

قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ تمہارے قریب آ گیا ہے بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ مراد عذاب ہے۔ عذاب قریب آ گیا ہے: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ یہ ردفہ سے مشتق ہے جب وہ اس کی پیروی کرے اور اس کے پیچھے آئے۔ لام داخل ہوا ہے کیونکہ معنی ہے اقترب لھم و دنالکم یا یہ مصدر کے متعلق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے معکم تمہارے ساتھ۔ ابن شجرہ نے کہا: معنی ہے تبعکم اس سے ردف المرأۃ ہے عورت کا پٹھا کیونکہ یہ اس کا تابع ہوتا ہے۔ اس معنی میں ابوذؤیب کا قول ہے:

عاد السوادُ بياضاً في مفارِقِهِ لا مَرحبا ببياض الشَّيْبِ إذ رَدِفا

سیاہی اس کی مانگ میں سفیدی کی شکل میں لوٹ آئی بڑھاپے کی سفیدی کو کوئی خوش آمدید نہ ہو جب وہ اسے بعد میں لاحق ہو۔

جوہری نے کہا: وأردفہ امریہ ردفہ میں ایک لغت ہے جس طرح تبعہ واتبعہ دونوں کا معنی ایک ہے۔ خزیمہ بن مالک نہدی نے کہا:

إذا الجوزاءُ أردفتِ الثُّرَيَّا ظَنَنتُ بآل فاطمةَ الظُّنونَا

جب جوزاء ستارہ ثریا کو پیچھے سے آ کر ملا تو میں آل فاطمہ کے بارے میں گمانات کا شکار ہو گیا۔

یہاں فاطمہ بنت یذکر بن عنزہ مراد ہے جو قارظین میں سے ایک تھا۔ فراء نے کہا: رَدِفَ لَكُمْ تمہارے قریب ہو گیا۔ اسی وجہ سے کہا: لَكُمْ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ردفہ اور ردف لہ دونوں ایک معنی میں ہیں لام تاکید کے لیے زائد ہے؛ فراء سے بھی یہ قول منقول ہے جس طرح تو کہتا ہے: نقدتہ، نقدت لہ، کلتہ، وزنتہ، کلت لہ، وزنت لہ اس کی مثل دوسرے افعال ہیں۔ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ مراد عذاب ہے جس کی تم جلدی مچاتے ہو یہ یوم بدر کو واقع ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد عذاب قبر ہے۔ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وہ سزا میں تاخیر کرتا ہے اور رزق میں فراخی پیدا کرتا ہے، اس پر فضل فرمانے والا ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ وہ اس کے فضل اور نعمتوں کا شکر بجا نہیں لاتے۔

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ان کے سینے جس کو چھپائے ہوئے ہیں تیرا رب اسے جانتا ہے

اور جن امور کو وہ ظاہر کرتے ہیں اسے بھی جانتا ہے۔ ابن محیصن اور حمید نے ما تکنُّ پڑھا ہے یہ کننت الشیء سے مشتق ہے جب تو اسے چھپائے۔ قصص میں ہے تقدیر کلام ہے تکن صدورھم علیہ گویا سینوں میں جو چیز پوشیدہ ہے وہ باقی ماندہ جسم کی طرح ہے جس نے تُکنّ پڑھا جب کہ یہی قراءت معروف ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: اکننت الشیئ، جب تو اسے اپنے دل میں چھپائے۔

وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ حضرت حسن بصری نے کہا: یہاں غائبہ سے مراد قیامت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آسمان اور زمین کے عذاب میں سے جو ان سے غائب ہے وہ مراد ہے؛ نقاش نے یہ بیان کیا ہے۔ ابن شجرہ نے کہا: غائبہ سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے پوشیدہ اور غائب رکھا ہے یہ عام ہے۔ غائبہ کے آخر میں ھاء داخل ہے یہ جمع کی طرف اشارہ ہے تو یہ لوگ جسے پوشیدہ رکھتے ہیں یا اس کا اظہار کرتے ہیں وہ کیسے اس پر مخفی ہوگا؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر شے جسے ام الکتاب میں ثبت کیا ہے وہ اسے اجل مؤجل کے لیے نکالتا ہے۔ جس عذاب کی وہ جلدی مچاتے ہیں وہ بھی اجل مضروب ہے وہ وقت نہ پہلے ہو سکتا ہے نہ پیچھے ہو سکتا ہے۔ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے اللہ تعالیٰ نے جو ارادہ فرمایا اس کو اس میں ثبت فرما دیا تاکہ ملائکہ میں سے جس کے بارے میں چاہتا ہے اس آگاہ کرے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

”بلاشبہ یہ قرآن بیان کرتا ہے بنی اسرائیل کے سامنے اکثر ان امور (کی حقیقت) کو جن میں وہ جھگڑتے رہتے ہیں اور بلاشبہ یہ قرآن سراپا ہدایت اور مجسم رحمت ہے مومنین کے لیے۔ یقیناً آپ کا رب فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان اپنے حکم سے اور وہی ہے زبردست سب کچھ جاننے والا، سو آپ بھروسہ کریں اللہ تعالیٰ پر۔ بے شک آپ روشن حق پر ہیں۔ بے شک آپ نہیں سنا سکتے مردوں کو اور نہ آپ سنا سکتے ہیں بہروں کو اپنی پکار جب وہ بھاگے جا رہے ہوں پیٹھ پھیرے ہوئے۔ اور نہیں آپ ہدایت دینے والے (دل کے) اندھوں کو ان کی گمراہی سے نہیں سناتے آپ بجز ان کے جو ایمان لاتے ہیں ہماری آیتوں پر پھر وہ فرمانبردار بن جاتے ہیں“۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اس لیے کیونکہ انہوں نے بہت سی اشیاء میں اختلاف کیا یہاں تک کہ انہوں نے ایک دوسرے کو لعن طعن کیا معنی ہے یہ قرآن ان کے لیے ان چیزوں کو بیان فرماتا ہے جس میں انہوں نے اختلاف کیا اگر ان کا اس کے بدلہ میں مواخذہ کیا جائے۔ اس سے مراد وہ چیزیں ہیں تورات و انجیل میں

سے جن میں انہوں نے تحریف کی اور ان کی کتابوں میں سے جو احکام ساقط ہو گئے وَ اِنَّهٗ لَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ قرآن ہدایت اور مومنوں کے لیے رحمت ہے مومنوں کو خاص کیا کیونکہ وہ اس سے انتفاع کرنے والے ہیں۔ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ جن امور میں بنی اسرائیل اختلاف کرتے رہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان میں فیصلہ فرمائے گا۔ وہ حق پرست اور باطل پرست میں فیصلہ فرمائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ان کے درمیان دنیا میں ہی فیصلہ فرمادے گا انہوں نے جو جو تحریف کی اللہ تعالیٰ اسے ظاہر فرمادے گا۔ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ وہ غالب ہے جس کا امر رد نہیں کیا جا سکتا اور اس پر کوئی شے مخفی نہیں۔

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اپنا امر اس کے سپرد کر دے اور اسی پر بھروسہ کر کیونکہ وہی تیرا مددگار ہے۔ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ تو ظاہر حق پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو صحیح کو جاننا چاہتا ہے اس پر وہ ظاہر کرنے والا ہے اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى موتی سے مراد کفار ہیں کیونکہ انہوں نے تدبر کرنا چھوڑ دیا ہے وہ مردوں کی طرح ہے ان میں کوئی حس اور عقل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ ان کفار کے بارے میں ہے جن کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ یعنی ایسے کفار کو دعوت نہیں سنا سکتے جو نصیحت قبول کرنے کے اعتبار سے بہروں کی طرح ہیں۔ جب انہیں بھلائی کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو اعراض کرتے ہیں اور منہ پھیر لیتے ہیں گویا وہ سنتے ہی نہیں۔ اس کی مثل صم بکم عمی ہے جس طرح بات پہلے گزر چکی ہے۔ ابن محیصن، حمید، ابن کثیر، ابن ابی اسحاق اور عباس نے ابو عمرو سے قراءت نقل کی ہے ولا یسمع یاء اور میم پر فتحہ ہے۔ الصم مرفوع ہونے کے اعتبار سے فاعل ہے۔ باقی قراء تسمع قراءت کرتے ہیں یہ أسمعت کا مضارع ہے اور الصم منصوب ہے۔

مسئلہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سماع موتی کا انکار کیا اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مردوں کو اپنا کلام سنایا تھا آپ نے اس امر میں قیاس عقلی سے استدلال کیا ہے اور اس آیت پر وقوف کیا جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ما أنتم بأسمع منهم (1) تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: اس سے یہ شبہ لاحق ہوتا ہے کہ بدر کا واقعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے معجزہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مردوں کی طرف ادراک کی صلاحیت کو لوٹایا ہو جن کی وجہ سے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقالہ سنا ہو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سننے کی خبر نہ دیتے تو ہم اس ندا کو ان کافروں کے لیے توبیخ کے معنی پر محمول کرتے جو دنیا میں باقی تھے اور مومنوں کے دلوں کی شفا پر محمول کرتے۔

میں کہتا ہوں: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے کہ عبد اللہ بن محمد نے روح بن عبادہ سے سنا کہا ہم نے سعید بن ابی عروبہ سے انہوں نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت انس بن مالک نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم بدر کو قریش کے چوبیس سرداروں کے بارے میں حکم دیا تو انہیں بدر کے بے آباد کنوؤں میں سے ایک کنویں میں پھینک دیا گیا (2)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم پر غلبہ حاصل کرتے تو وہاں تین دن قیام فرماتے جب بدر میں تیسرا دن تھا تو آپ نے سواری کو تیار کرنے کا حکم دیا تو اس پر کجاوا کس دیا گیا پھر آپ چلے اور آپ کے صحابہ آپ کے پیچھے تھے۔ انہوں نے کہا: ہمارا یہ خیال تھا کہ آپ کسی حاجت کے لیے چلے ہیں یہاں تک کہ آپ اس کنویں کے کنارے کھڑے ہو گئے

1۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 3، صفحہ 287　　2۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ بدر، جلد 2، صفحہ 566

آپ انہیں ان کے ناموں اور ان کے آباء کے ناموں کے ساتھ پکارنے لگے: ''اے فلاں بن فلاں! اے فلاں بن فلاں! کیا تمہیں یہ بات خوش کرتی ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی؟ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا ہم نے اسے حق پایا کیا تمہارے رب نے تمہارے ساتھ جو وعدہ کیا ہے اس کو حق پایا ہے؟'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ ایسے جسموں سے گفتگو کر رہے ہیں جن میں روحیں نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! جو میں انہیں کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو''۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول سنایا مقصود انہیں شرمندہ کرنا، ان کی حقارت بیان کرنا، ان سے انتقام لینا، حسرت کا اظہار کرنا اور انہیں شرمندہ کرنا تھا۔ اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ امام بخاری نے کہا: عبدہ، ہشام سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے ایک کنویں پر کھڑے ہوئے فرمایا: ''تمہارے رب نے جو وعدہ کیا کیا تم نے اس کو حق پایا ہے؟'' پھر فرمایا: ''آج وہ جان گئے ہوں گے کہ جو میں انہیں کہتا تھا وہ حق ہے''(1)۔ پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت کی قراءت کی: اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى یہاں تک کہ مکمل آیت پڑھی یہ آیت واقعہ بدر اور قبروں کو سلام کرنے کے معارض (2) ہے۔ اور ان روایات کے بھی معارض ہے جن میں یہ تصریح موجود ہے کہ روحیں بعض اوقات قبروں کے کنارے پر ہوتی ہیں جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ میت جوتوں کی کھٹکھٹاہٹ کو سنتی ہے جب لوگ اس سے واپس جاتے ہیں اگر میت نہ سنے تو اس کو سلام نہ کیا جائے یہ امر واضح ہے ہم نے اس کا ذکر کتاب ''التذکرہ'' میں کیا ہے۔

وَمَاۤ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ، **ضَلٰلَتِهِمْ** سے مراد ان کا کفر ہے، یعنی آپ کی قدرت میں نہیں کہ آپ ان کے دلوں میں ہدایت کو تخلیق کریں۔ حمزہ نے اسے وما انت تہدی العمی عن ضلالتہم پڑھا ہے جس طرح یہ آیت ہے **اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ** (یونس: 43) باقی نے بہادی العمی پڑھا ہے۔ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ سورۂ روم میں اس کی مثل ہے سب نے اس سورت میں **بِهٰدِی** پر وقف کیا ہے اور روم میں یاء کے بغیر وقف کیا ہے اس میں مصحف کی اتباع کی ہے مگر یعقوب نے دونوں میں یاء پر وقف کیا ہے۔ فراء اور حاتم نے وما انت بہاد العمی پڑھنے کو بھی جائز قرار دیا ہے یہ اصل ہے۔ حضرت عبداللہ کی قراءت وما انت تہدی العمیٰ ہے۔ **اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا** آپ انہیں ہی سناتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف انہیں سناتے ہیں جسے میں نے سعادت کے لیے پیدا کیا ہے وہ توحید میں مخلص ہیں۔

وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ بدر، جلد 2، صفحہ 566

2۔ اگر یوں تعبیر کی جائے کہ اس آیت کے شان نزول کے بارے میں جو اقوال ہیں وہ توجہ طلب ہیں اگر یہاں موتیٰ حقیقی معنی کی بجائے مجازی معنی میں ہو تو آیت اور احادیث میں ظاہری تعارض باقی نہ رہے گا اور آیت کا ظاہر بھی مجازی معنی کی تائید کرتا ہے مراد جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں مجاز کا قاعدہ قرآن میں اکثر استعمال ہوا ہے۔ (مترجم)

كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَ يَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا
فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَ لَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا
جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾

''اور جب ہماری بات کے ان پر پورا ہونے کا وقت آجائے گا تو ہم نکالیں گے ان کے لیے ایک چوپایہ زمین سے جوان سے گفتگو کرے گا کیونکہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ اور جس روز ہم اکٹھا کریں گے ہر امت سے ایک گروہ جو جھٹلایا کرتا تھا ہماری آیتوں کو تو ان کو (اپنی اپنی جگہ پر) روک لیا جائے گا حتیٰ کہ جب وہ آجائیں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم نے جھٹلایا میری آیتوں کو حالانکہ تم نے اچھی طرح انہیں جانا بھی نہ تھا یا اس کے علاوہ اور کیا تھا جو تم کیا کرتے تھے اور پوری ہوگی (اللہ کی) بات ان پر بوجہ ان کے ظلم کے تو وہ (اس وقت) بولیں گے نہیں، کیا انہوں نے غور نہ کیا کہ ہم نے بنایا ہے رات کو اس لیے تاکہ وہ اس میں آرام کریں اور بنایا ہے دن کو بینا، بے شک اس میں (ہماری قدرت کی) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں''۔

وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ علماء نے وقع قول اور دابۃ میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ کا معنی ہے ان پر غضب ثابت ہو جائے گا؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: ان پر فیصلہ لازم ہو چکا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما نے کہا: جب وہ نیکی کا حکم نہ دیں اور برائی سے نہ روکیں تو ان پر ناراضگی ثابت ہو جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: وقع قول سے مراد علماء کی موت ہے، علم کا ناپید ہونا اور قرآن حکیم کا اٹھ جانا ہے۔ حضرت عبداللہ نے کہا: قرآن کے اٹھائے جانے سے پہلے قرآن کی تلاوت کثرت سے کرو۔ لوگوں نے عرض کی: یہ مصاحف اٹھا لیے جائیں گے تو لوگوں کے سینوں میں جو کچھ ہے وہ کیسے اٹھا لیا جائے گا؟ ان پر رات گزاری جائے گی تو صبح کے وقت وہ اس سے خالی ہو جائیں گے وہ لا الہ الا اللہ کو بھول جائیں گے۔ وہ دور جاہلیت کی باتوں اور ان کے اشعار میں واقع ہو جائیں گی یہ وہ وقت ہے جب ان پر فیصلہ واقع ہو جائے گا۔

میں کہتا ہوں: ابوبکر بزار نے اسے بیان کیا ہے عبداللہ بن یوسف ثقفی، عبدالمجید بن عبدالعزیز سے وہ موسیٰ بن عبیدہ سے وہ صفوان بن سلیم سے وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں: اس گھر کی زیارت کثرت سے کرو قبل اس کے کہ اس کو اٹھا لیا جائے اور لوگ اس کی جگہ کو بھول جائیں اور قرآن کے اٹھائے جانے سے قبل اس کی تلاوت کثرت سے کیا کرو۔ ساتھیوں نے عرض کی: اے ابا عبدالرحمن! یہ مصاحف تو اٹھا لیے جائیں مگر لوگوں کے سینوں میں جو کچھ ہے وہ کیسے اٹھا لیا جائے گا؟ جواب دیا: وہ صبح کریں گے وہ کہیں گے: ہم ایک کلام کیا کرتے تھے اور ایک قول کیا کرتے تھے پھر دور جاہلیت کے شعر اور اس دور کی باتوں کی طرف لوٹ جائیں گے۔ یہی وہ وقت ہے جب ان پر فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قول سے مراد اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ

(السجدہ:13) وقوع قول سے مراد ان پر عقاب کو لازم کرتا ہے جب وہ لوگ اس حد تک جا پہنچیں گے کہ ان کی توبہ قبول نہ کی جائے اور ان کی کوئی مومن اولاد نہ ہو تو اس وقت قیامت برپا ہو جائے گی؛ قشیری نے اس کو ذکر کیا ہے۔

چھٹا قول یہ ہے: حضرت حفصہ بنت سیرین نے کہا: میں نے ابوالعالیہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو وحی کی اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ (ہود:36) تو گویا میرے چہرے پر پردہ تھا تو وہ پردہ ہٹ دیا گیا۔ نحاس نے کہا: یہ بہت اچھا جواب ہے کیونکہ لوگوں کا امتحان لیا جاتا ہے اور انہیں مہلت دی جاتی ہے کیونکہ ان میں مومن اور صالح لوگ ہوتے ہیں۔ بعض آدمیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ عنقریب ایمان لائیں گے اور توبہ کریں گے اسی لیے انہیں مہلت دی گئی اور ہم کو ان سے جزیہ وصول کرنے کا حکم دیا تھا۔ جب یہ امر زائل ہو گیا تو ان پر قول ثابت ہو گیا تو وہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی طرح ہو گئے اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ (ہود:36)

میں کہتا ہوں: تمام اقوال غور وفکر کی صورت میں ایک ہی معنی کی طرف لوٹتے ہیں اس پر دلیل آیت کا آخر ہے۔ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ اسے ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ اَنَّ بھی پڑھا گیا ہے یہ بحث عنقریب آئے گی۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تین چیزیں ایسی ہیں جب وہ ظاہر ہو جائیں گی تو کسی نفس کو اس کا ایمان کوئی نفع نہ دے گا جو اس سے قبل ایمان نہیں لایا تھا یا اس نے ایمان کی حالت میں کوئی نیکی نہ کمائی تھی مغرب سے سورج کا طلوع ہونا، دجال کا ظاہر ہونا اور دابۃ الارض کا ظاہر ہونا'' (1)۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ اس دابہ کی تعیین، اس کی صفت اور یہ کہاں سے ظاہر ہو گا اس میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ ہم نے اس کا ذکر کتاب ''التذکرہ'' میں کیا ہے ہم یہاں بھی اسے مفصل ذکر کریں گے۔

پہلا قول یہ ہے: اس سے مراد حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا بچہ ہے۔ اور یہ صحیح ترین قول ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کیونکہ ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دابہ کا ذکر کیا فرمایا: ''وہ تین دفعہ زمانے سے نکلے گا وہ دور دراز کے دیہاتی علاقے سے نکلے گا اس کا ذکر قریہ یعنی مکہ مکرمہ تک نہیں پہنچے گا پھر وہ طویل زمانہ تک چھپ جائے گا پھر دوسری دفعہ مکہ مکرمہ سے پہلے سے قریب سے نکلے گا اس کا ذکر دیہاتی علاقوں میں عام ہو جائے گا اور اس کا ذکر مکہ مکرمہ میں داخل ہو جائے گا'' (2)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''پھر اسی اثنا میں کہ لوگ سب سے بڑی مسجد میں ہوں گے اس کے خیر کی حرمت اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے معزز مسجد مسجد حرام ہے لوگوں کو کسی چیز نے نہ ڈرایا مگر اس چیز نے کہ وہ دابہ حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان بلبلا رہا ہو گا وہ اپنے سر سے مٹی جھاڑ رہا ہو گا۔ لوگ ایک ایک اور جمعیتوں کی صورت میں اس سے بھاگ جائیں گے مومنوں کی ایک جماعت اپنی جگہ میں ٹھہری رہے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الزمن الذی لا یقبل فیہ الایمان، جلد 1، صفحہ 88

2۔ درمنثور، جلد 5، صفحہ 219

گی۔ وہ پہچان لیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکیں گے وہ ان سے شروع کرے گا وہ ان کے چہروں کو روشن کردے گا یہاں تک کہ انہیں بنادے گا گویا وہ روشن ستارہ ہو۔ وہ زمین میں گھومے پھرے گا کوئی طالب اسے نہیں پکڑ سکے گا اور کوئی بھاگنے والا اس سے نجات نہیں پائے گا یہاں تک کہ آدمی نماز پڑھ کر اس سے پناہ چاہے گا۔ وہ دابہ اس کے پاس اس کے پیچھے سے آئے گا وہ دابہ کہے گا: اب تو نماز پڑھتا ہے؟ وہ دابہ اس کے سامنے آئے گا اور اس کے چہرے پر نشان لگائے گا پھر چلا جائے گا۔ لوگ اموال میں شریک ہو جائیں گے اور شہروں میں صلح کریں گے مومن کافر سے پہچان لیا جائے گا یہاں تک کہ مومن کافر سے کہے گا: میرا حق ادا کرو'۔ اس حدیث میں دلیل کا محل کہ وہ اونٹ کا بچہ ہے وہ یہ قول ہے وہی ترغو وہ بلبلائے گا۔ رغاء یہ اونٹ کا ہی ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کیا گیا تو اس کا بچہ بھاگ گیا تھا اس کے لیے ایک پتھر میں سوراخ بن گیا تو وہ اس پتھر کے اندر داخل ہو گیا پھر وہ پتھر اس پر مل گیا وہ بچہ اس پتھر میں ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے وہ پتھر سے نکلے گا۔

روایت بیان کی گئی ہے: وہ ایسا جانور ہے جس کے جسم پر بہت زیادہ بال ہوں گے وہ پایوں والا ہوگا اس کی لمبائی ساٹھ ذراع ہوگی اسے کہا جائے گا: جساسہ؛ یہ حضرت عبداللہ بن عمر کا قول ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: وہ انسان کی شکل میں ہوگا وہ بادلوں میں ہوگا اور اس کے پائے زمین میں ہوں گے۔ ایک روایت یہ بیان کی گئی: وہ ہر حیوان کی خصوصیات کو جامع ہوگا۔ ماوردی اور ثعلبی نے کہا: اس کا سر بیل کے سر جیسا ہوگا، اس کی آنکھیں خنزیر کی آنکھ جیسی ہوں گی، اس کے کان ہاتھی کے کان جیسے ہوں گے، اس کی گردن شتر مرغ کی گردن جیسی ہوگی، اس کا سینہ شیر کے سینہ جیسا ہوگا، اس کا رنگ چیتے کے رنگ جیسا ہوگا، اس کی ڈھاک بلی کی ڈھاک جیسی ہوگی، اس کی دنب مینڈھے کی دنب جیسی ہوگی، اس کے پائے اونٹ کے پایوں جیسے ہوں گے ہر دو جوڑوں کے درمیان بارہ ہاتھ ہوگی۔ زمخشری نے کہا: ذراع سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کا ذراع ہے۔ اس دابہ کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور حضرت سلیمان کی مہر ہوگی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے مسلمان کے چہرے پر سفید نشان لگائے گا تو اس کا چہرہ سفید ہو جائے گا اور کافر کے چہرے پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی مہر سے نشان لگائے گی تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا؛ یہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

کتاب نقاش میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: دابہ سے مراد وہ سانپ ہے جو کعبہ کی دیوار سے جھانک رہا تھا جسے عقاب نے اچک لیا تھا جب قریش نے کعبہ کو بنانے کا ارادہ کیا تھا۔ ماوردی نے محمد بن کعب سے وہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں آپ سے دابہ کے متعلق سوال کیا گیا انہوں نے جواب دیا: خبردار! اللہ کی قسم! اس کی دنب نہ ہوگی جب کہ سانپ کی دنب ہوتی ہے۔ ماوردی نے کہا: اس قول میں ارشاد ہے کہ وہ انسانوں میں سے ہوگا اگرچہ اس کی تصریح نہیں کی گئی۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اس لیے بعض متاخر مفسرین نے کہا: زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ دابہ انسان ہو کلام کرتا ہو اہل بدعت اور اہل کفر سے مناظرہ کرتا ہو اور ان سے جدل کرتا ہو تا کہ وہ ختم ہو کر رہ جائیں تا کہ جو ہلاک ہو تو وہ دلیل

سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے تو وہ دلیل سے زندہ رہے۔ ہمارے شیخ امام ابو العباس احمد بن عمر قرطبی اپنی کتاب المفهم میں کہتے ہیں: اس قائل کے نزدیک اقرب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تکلمھم اس تعبیر کی بنا پر یہ کوئی خاص نشانی نہ ہوگی جو خلاف عادت ہو اور یہ ان دس علامتوں میں سے بھی نہ ہو جن کا ذکر حدیث طیبہ میں ہے کیونکہ بدبختیوں کے خلاف مناظرہ کرنے والوں اور استدلال کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے یہ کوئی خاص نشانی نہیں اس لیے اسے دس علامات کے ساتھ ذکر کرنا مناسب نہیں اس کے وجود کی خصوصیت ختم ہوگئی جب قول واقع ہوگیا۔ پھر اس انسان جو مناظر ہے فاضل ہے اور اہل زمین پر عالم ہے اسے انسان کا نام دینے، عالم کا نام دینے یا امام کا نام دینے سے جو عدول کیا گیا یہاں تک کہ اس کا نام دابہ رکھا تو یہ فصحاء کی عادت کے خلاف ہے اور علماء کی تعظیم سے باہر نکلنا ہے یہ عقلاء کا طریقہ نہیں اولی بات وہی ہے جو اہل تفسیر کا قول ہے اللہ تعالیٰ امور کے حقائق کے بارے میں زیادہ آگاہ ہے۔

میں کہتا ہوں: اس دابہ کے بارے میں اشکال کو وہ حدیث ختم کر دیتی ہے جو ہم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اس لیے اس پر بھروسہ کیجئے۔ کس جگہ سے یہ دابہ نکلے گا اس میں اختلاف ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ مکہ مکرمہ میں جبل صفا سے نکلے گا صفا کا پہاڑ پھٹ جائے گا تو اس سے وہ دابہ نکلے گا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے بھی یہی کہا ہے: اگر میں اس کے نکلنے کی جگہ اپنا قدم رکھنا چاہوں تو میں ایسا کر سکتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ اسی طرح مروی ہے۔ زمین دابہ سے پھٹ جائے گی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے ہوں گے جب کہ ان کے ساتھ مسلمان سعی کی جگہ کی ایک طرف ہوں گے وہ دابہ صفا سے نکلے گا وہ مومن کی آنکھوں کے درمیان نشان لگائے گا کہ یہ مومن ہے وہ نشان ایسا ہوگا گویا وہ چمکتا موتی ہے کافر کی آنکھوں کے درمیان نشان لگائے گا کہ یہ کافر ہے۔ حدیث میں یہ مذکور ہے کہ وہ بالوں اور پروں والا ہوگا؛ مہدوی نے اسے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ گھاٹی سے نکلے گا اس کا سر بادلوں سے مس کر رہا ہوگا اور اس کے پاؤں زمین میں ہوں گے وہ باہر نہیں نکلیں گے وہ دابہ نکلے گا جب کہ اس کے ساتھ عصا موسیٰ ہوگا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ تین دفعہ نکلے گا ایک دفعہ وہ جنگل سے نکلے گا پھر چھپ جائے گا پھر وہ دیہاتوں میں ظاہر ہوگا جن میں امراء آپس میں قتال کریں گے یہاں تک کہ خونریزی زیادہ ہو جائے گی ایک دفعہ وہ سب سے بڑی، سب سے معزز، سب سے شرف والی اور سب سے فضیلت والی مسجد سے نکلے گا۔ زمخشری نے کہا: وہ دار بنی مخزوم کے بالمقابل حجر اسود کے سامنے سے مسجد کی دائیں جانب سے نکلے گا کچھ لوگ بھاگ کھڑے ہوں گے اور کچھ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ قتادہ سے مروی ہے: وہ تہامہ سے نکلے گا۔ ایک روایت کی گئی ہے: وہ کوفہ کی مسجد سے نکلے گا جہاں سے حضرت نوح علیہ السلام کا تنور پانی سے ابل پڑا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ طائف سے نکلے گا۔ ابو قبیل نے کہا: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے طائف کی زمین پر پاؤں مارا اور فرمایا: یہاں سے وہ دابہ نکلے گا جو لوگوں سے کلام کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ تہامہ کی ایک وادی سے نکلے گا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ شعب اجیاد کی ایک چٹان سے نکلے گا؛ یہ حضرت عبد اللہ بن عمرو نے کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:

یہ بحر سدوم سے نکلے گا؛ یہ وہب بن منبہ کا قول ہے۔ ماوردی نے اپنی کتاب میں ان تین اقوال کا ذکر کیا ہے۔ امام بغوی ابو القاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز نے ذکر کیا کہ علی بن جعد، فضل بن مرزوق، رقاشی اَغر (یحییٰ بن معین سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: وہ ثقہ ہے) وہ عطیہ عوفی سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ دابہ کعبہ کے سوراخ سے تین دن نکلے گا اور نکلنے میں اتنا تیز ہوگا جتنا گھوڑا تیزی سے دوڑتا ہے اس کا تہائی بھی باہر نہیں نکلے گا۔

میں کہتا ہوں: یہ صحابہ اور تابعین کے اقوال ہیں جو دابہ کے نکلنے اور اس کی صفت کے بارے میں ہیں یہ مفسرین کے اس قول کو رد کر دیتے ہیں جس میں ہے کہ دابہ انسان ہے وہ کلام کرنے والا ہے وہ اہل بدعت اور اہل کفر سے مناظرہ کرے گا۔ ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دابہ نکلے گا تو وہ لوگوں کی ناکوں پر نشان لگائے گا''۔ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے: تکلمھم یہ تاء کے ضمہ اور لام مشددہ مکسورہ کے ساتھ ہے۔ یہ کلام سے مشتق ہے یہ عام قرأت ہے اور حضرت ابی کی قراءت اس پر دلالت کرتی ہے جو تنبئھم ہے۔ سدی نے کہا: وہ اسلام کے سوا تمام ادیان کے باطل ہونے کی کلام کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان سے ایسی کلام کرے گا جو ان کو پریشان کر دے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ان سے لکنت والی زبان سے کلام کرے گا وہ ایسی آواز سے کلام کرے گا جس کو قریبی اور بعیدی سب سنیں گے۔ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ وہ دابہ کے نکلنے پر یقین نہیں رکھتے کیونکہ دابہ کا نکلنا بھی آیات میں سے ہے وہ کہے گا: الا لعنة اللہ علی الظالمین خبردار! ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ حضرت ابوزرعہ، حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری اور ابو رجاء نے تکلمھم تاء کے فتحہ کے ساتھ کلام کی ہے یہ کلم سے مشتق ہے جس کا معنی زخم ہے۔ عکرمہ نے کہا: یعنی وہ ان کو زخم لگائے گی۔ ابوجوزاء نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں پوچھا کہ یہ تُكَلِّمُهُمْ یا تَكْلِمُهُمْ ہے انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! وہ ان سے کلام کرے گا اور ان کو زخم لگائے گا وہ مومن سے کلام کرے گا اور کافر و فاجر کو زخم لگائے گا۔ ابوحاتم نے تُكَلِّمُهُمْ جس طرح تو کہتا ہے تُجَرِّحُهُمْ یہ تعبیر اس طرف جاتی ہے کہ یہ تَكْلِمُهُمْ میں کثرت کو ظاہر کرنے کے لیے تفعیل کا وزن لاتے ہیں۔ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ کوفہ کے قراء، ابن ابی اسحاق اور یحییٰ نے ان ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اہل حرمین، اہل شام اور اہل بصرہ نے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ اِن پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: ہمزہ مفتوحہ میں دو قول ہیں اسی طرح ہمزہ مکسورہ میں دو قول ہیں۔ اخفش نے کہا: مراد بانّ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت بانّ ہی ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: اس کا محل نصب ہے کیونکہ فعل اس پر واقع ہو رہا ہے تقدیر کلام یہ ہے تخبرھم أن الناس۔ کسائی اور فراء نے پڑھا اِنّ الناس یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اخفش نے کہا: یہ اس معنی میں ہے تقول اِن الناس، الناس سے مراد کفار ہیں۔ بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ مراد قرآن اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ یہ اس وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ کافر سے ایمان قبول نہیں کرے گا اس دابہ کے نکلنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے علم میں مومن اور کافر ہی رہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا فوج سے مراد جماعت ہے مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا آیات سے مراد قرآن ہے اور ہماری وہ علامات ہیں جو حق پر دال ہیں۔ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ انہیں حساب کی جگہ کی طرف دھکیل کر یا ہانک کر لے جایا جائے گا۔

شماخ نے کہا:

وَكَمْ وَزَعْنَا مِنْ خَمِيسٍ جَحْفَلٍ

ہم نے کتنے ہی لشکروں کو دھکیلا۔

قتادہ نے کہا: یُوْزَعُوْنَ ان میں سے پہلے کو آخر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْ قَالَ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَكَذَّبْتُمْ بِاٰیٰتِیْ تم میری ان آیات کو جھٹلاتے ہو جن کو میں نے اپنے رسولوں پر نازل کیا۔ اور ان آیات کو جھٹلاتے ہو جن کو میں نے اپنی توحید پر دلالت بنایا ہے۔ وَ لَمْ تُحِیْطُوْا بِهَا عِلْمًا تم نے ان آیات کے باطل ہونے کا از روئے علم کے احاطہ نہیں کیا یہاں تک کہ تم ان سے اعراض کرو بلکہ تم نے اس سے جاہل بنتے ہوئے استدلال کے بغیر جھٹلایا ہے۔ اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ یہ تقریع و توبیخ ہے تم کس لیے عمل کرتے ہو جب تم اس میں بحث نہیں کرتے اور ان میں غور و فکر نہیں کرتے؟ وَ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا ان کے ظلم یعنی شرک کی وجہ سے ان پر عذاب واجب ہو گیا۔ فَهُمْ لَا یَنْطِقُوْنَ ان کے لیے کوئی عذر اور حجت نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی اور وہ کلام نہ کر سکیں گے؛ یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔

اَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّیْلَ لِیَسْكُنُوْا فِیْهِ یعنی وہ قرار حاصل کریں اور سو جائیں۔ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا وہ رزق کے حصول کے لیے اس میں دیکھتا ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اپنی الوہیت اور قدرت پر دلیل ذکر کی یعنی کیا وہ ہماری کمال قدرت کو نہیں جانتے کہ وہ ایمان لاتے۔

وَیَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ كُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِیْنَ ۝ وَ تَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّ هِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ۝ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ هُمْ مِّنْ فَزَعٍ یَّوْمَىِٕذٍ اٰمِنُوْنَ ۝ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

"اور جس دن پھونکا جائے گا صور تو گھبرا جائے گا ہر کوئی جو آسمان میں ہے اور جو زمین میں ہے مگر جنہیں خدا نے چاہا (وہ نہیں گھبرائیں گے) اور سب حاضر ہوں گے اس کی بارگاہ میں عاجزی کرتے ہوئے اور تو جب (اس روز) پہاڑوں کو دیکھے گا تو گمان کرے گا کہ یہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے بادل کی سی چال، یہ کاریگری ہے اللہ کی جس نے (اپنی حکمت سے) مضبوط بنایا ہر چیز کو، بے شک وہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔ جو شخص نیک عمل لے کر آئے گا تو اسے کہیں بہتر اجر ملے گا اس نیک عمل سے اور یہ نیک بندے اس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے۔ اور جو برائی لے کر آئے گا تو ان کو منہ کے بل اوندھا پھینک دیا جائے گا آگ میں (اے بدکارو!) کیا تمہیں بدلہ ملے گا بجز اس کے جو تم عمل کیا کرتے تھے"۔

وَ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ یوم سے پہلے اذکرھم یاذکرھم فعل محذوف ہے۔ فراء کا مذہب ہے کہ معنی ہے ذلکم یوم ینفخ فی الصور اس میں حذف جائز ہے۔ صور میں صحیح یہ ہے کہ نور کا ایک قرن ہے جس میں حضرت اسرافیل پھونکیں گے۔ مجاہد نے کہا: یہ بوق کی شکل کا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یمن کی زبان میں صور کا معنی بوق ہے۔ سورۂ انعام میں اس کی وضاحت اور علماء کا نقطہ نظر گزر چکا ہے۔

فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جب آسمانوں کی تخلیق سے فارغ ہوا تو اس نے صور کو پیدا کیا اور حضرت اسرافیل کو دے دیا۔ وہ اسے اپنے منہ پر رکھے ہوئے ہیں اور اپنی نظر عرش کی طرف لگائے ہوئے ہیں وہ انتظار کر رہے ہیں کہ کب اسے پھونکنے کا حکم ملتا ہے'' (1)۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صور کیا ہے؟ فرمایا: ''اللہ کی قسم! وہ عظیم سینگ ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اس کے دائرہ کا پھیلاؤ آسمان وزمین کی چوڑائی جتنا ہے اس میں تین دفعہ پھونکا جائے گا پہلا نفخہ فزع ہے (۲) نفخہ صعق (۳) اللہ تعالیٰ کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کا نفخہ'' حدیث کا ذکر کیا؛ اسے علی بن معبد، طبری، ثعلبی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ ابن عربی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ میں نے کتاب ''التذکرہ'' میں ذکر کیا ہے اور وہاں ہم نے اس کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ صور میں نفخہ میں اصل یہ ہے کہ نفخے دو ہیں تین نہیں ہیں۔ نفخہ فزع سے مراد نفخہ صعق ہی ہے کیونکہ وہ دونوں امر اس کو لازم ہیں وہ سخت گھبرائیں گے اور اس سے مر جائیں گے یا یہ نفخہ بعث کی طرف راجع ہے؛ یہ امام قشیری اور دوسرے علماء کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ کیونکہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے یہ کہا ہے: مراد نفخہ ثانیہ ہے وہ گھبرائے ہوئے راندہ ہوں گے وہ کہیں گے مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا (یٰسین: 52) وہ ایسے امر کو دیکھیں گے جو انہیں خوفزدہ کر دے گا۔ یہ نفخہ بوق کی آواز کی طرح ہوگا تا کہ تمام مخلوق جزا کے میدان میں جمع ہو جائے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ماوردی نے کہا: وَ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ یہ قبروں سے اٹھنے کا دن ہے۔ کہا: اس فزع میں دو قول ہیں (۱) ندا کی طرف جلدی کرنا اور اس پر لبیک کہنا، یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے فزعت الیک فی کذا تیری مدد کے لیے میں نے تیری آواز کی طرف جلدی کی (۲) یہاں فزع سے مراد خوف اور حزن کا معہود و معروف فزع ہے، کیونکہ انہیں ان کی قبروں میں پریشان کیا گیا وہ گھبرا گئے اور خوفزدہ ہو گئے؛ یہ دونوں قولوں میں سے زیادہ مناسب ہے۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی احادیث سے ثابت ہونے والی سنت دلالت کرتی ہے کہ دو نفخے ہیں تین نفخے نہیں۔ امام مسلم نے ان دونوں احادیث کو نقل کیا ہے ہم نے اس کا ذکر کتاب ''التذکرہ'' میں کیا ہے۔ ان شاء اللہ صحیح یہی ہے کہ نفخے دو ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ (الزمر: 68) یہاں استثناء کی ہے جس طرح نفخہ فزع میں استثناء کی ہے یہ اس امر پر حال ہے کہ یہ دونوں ایک ہیں۔ ابن مبارک نے حضرت حسن بصری سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دو نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا۔ پہلے نفخہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو موت دے دے گا اور دوسرے نفخہ کے ساتھ

1۔ تفسیر طبری، جلد 20، صفحہ 25

اللہ تعالیٰ ہر مردہ کو زندہ کر دے گا''۔ اگر یہ قول کیا جائے اللہ تعالیٰ کا فرمان: يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ (النازعات) سے لے کر زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ (النازعات) اس کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ تین نفخے ہیں۔ اسے کہا جائے گا: اس طرح معاملہ نہیں۔ زجرہ سے مراد دوسرا نفخہ ہے جس کے واقع ہونے پر تمام مخلوق قبروں سے باہر آ جائے گی۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، عطا، ابن زید وغیرہ نے یہی کہا ہے۔ مجاہد نے کہا: دو نفخے ہیں جہاں تک پہلے نفخہ کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کے اذن سے وہ ہر چیز کو موت عطا کر دے گا جہاں تک دوسرے کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہر چیز کو زندہ کر دے گا۔ عطا نے کہا: الراجفة سے مراد قیامت ہے اور الرادفة سے مراد بعث ہے۔ ابن زید نے کہا: الراجفة سے مراد موت ہے اور الرادفة سے مراد قیامت ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ اس مستثنیٰ میں اختلاف کیا گیا ہے وہ کون ہیں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ''مراد شہداء ہیں ان کے رب کے ہاں انہیں رزق دیا جاتا ہے فزع زندوں کو ہی لاحق ہوتا ہے''۔ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے مراد وہ شہداء ہیں جو عرش کے ارد گرد گلے میں تلواریں لٹکائے ہوئے ہیں۔ قشیری نے کہا: مراد انبیاء ہیں جو ان کی جماعت میں شامل ہیں؛ کیونکہ ان کے لیے نبوت کے ساتھ شہادت بھی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد فرشتے ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: فرشتوں کی کچھ جماعتوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جو دو نفخوں کے درمیان مریں گے۔ مقاتل نے کہا: مراد حضرت جبریل امین، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور ملک الموت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حور عین ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مومنین ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ہمارے بعض علماء نے کہا: صحیح یہ ہے کہ ان کی تعیین میں خبر صحیح وارد نہیں سب محتمل ہے۔

میں کہتا ہوں: اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مخفی رہی جس کی تصحیح قاضی ابو بکر بن عربی نے کی یا چاہیے کہ اس پر بھروسہ کیا جائے، کیونکہ وہ تعیین میں نص ہے اور باقی سب اجتہاد ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کے علاوہ کا ذکر سورۂ زمر میں آئے گا۔ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ یہ فعل ماضی ہے اور يُنْفَخُ مستقبل ہے۔ تو یہ سوال کیا جائے گا فعل ماضی کا عطف فعل مستقبل پر کیسے کیا گیا ہے؟ فراء نے گمان کیا ہے: یہ معنی پر محمول ہے کیونکہ معنی بنتا ہے إذا نفخ في الصور ففزع اور من شاء اللہ یہ استثناء کے طور پر منصوب ہے۔

وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ابو عمرو، عاصم، کسائی، نافع، ابن عامر اور ابن کثیر نے اسے آتوہ پڑھا ہے انہوں نے اسے فعل مستقبل یعنی اسم فاعل کا صیغہ بنایا ہے۔ اعمش، یحییٰ، حمزہ اور حفص نے عاصم سے وکل اتوہ ہمزہ پر زبر مد کے بغیر فعل ماضی کا صیغہ پڑھا ہے۔ حضرت ابن مسعود نے بھی اسی طرح قراءت کی ہے۔ قتادہ سے مروی ہے: وكل أتاه داخرين۔ نحاس نے کہا: میری کتاب جو ابو اسحاق سے قراءت میں مروی ہے اس میں ہے جس نے پڑھا وکل اتوا واحد کا صیغہ لفظ کل کے اعتبار سے ہے اور جس نے اسے آتوہ جمع کا صیغہ پڑھا ہے انہوں نے معنی کا اعتبار کیا ہے۔ یہ قول غلط اور قبیح ہے، کیونکہ جب کہا: وکل اتوہ یہ واحد کا صیغہ نہیں یہ جمع کا صیغہ ہے اگر واحد کا صیغہ ہوتا تو فرمان ہوتا اتاہ لیکن جس نے کہا: اتوہ یہ جمع کا صیغہ ہے معنی کا

اعتبار کیا ہے اور ماضی کا صیغہ آیا ہے کیونکہ اس نے اسے فزع کی طرف لوٹایا ہے اور جس نے پڑھا: وکل آتوہ اس نے بھی معنی پر محمول کیا اور کہا: آتوہ یہ ایسا جملہ ہے جو یہاں سے منقطع ہے۔ ابن نصر نے کہا: ابو اسحاق سے وہ مروی ہے جو انہوں نے کہا یہی ابو اسحاق کی نص ہے وکل أتوہ داخرین اور وہ قراءت کرتے ہیں آتوہ جس نے واحد کا صیغہ پڑھا ہے۔ وہ کل کے لفظ کا اعتبار کرتے ہیں اور جس نے جمع کا صیغہ پڑھا ہے تو وہ معنی کا اعتبار کرتے ہیں وہ اس سے یہ ارادہ کرتے ہیں کہ قرآن حکیم اور دوسری چیزوں میں جو کل کی خبر واحد ذکر کی گئی ہے وہ کل کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے ہے اور جمع کی صورت میں خبر معنی کے اعتبار سے ہے۔ ابو جعفر نے یہ معنی اخذ نہیں کیا۔ مہدوی نے کہا: جس نے وکل اتوہ داخرین قراءت کی ہے تو وہ اتیان سے فعل ہے اور کل کے معنی کا اعتبار کیا ہے لفظ کا اعتبار نہیں کیا۔ جس نے وکل آتوہ داخرین تو وہ اتی سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَ كُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا۝ (مریم) جس نے پڑھا: وکل أتاہ اس نے کل کے لفظ پر محمول کیا ہے معنی کا اعتبار نہیں کیا۔ دٰخِرِيْنَ یہ معنی پر محمول ہے اس کا معنی صاغرین ہے ذلیل و رسوا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ سے مروی ہے سورۂ نحل میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَ تَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّ هِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جامدة سے مراد ہے ٹھہرے ہوئے جب کہ وہ تیزی سے چل رہے ہیں۔ قتبی نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ پہاڑ بہت زیادہ ہیں اور انہیں چلایا جاتا ہے آنکھ کے دیکھنے میں وہ کھڑے ہیں جب کہ وہ چل رہے ہیں اسی طرح ہر عظیم شے اور جمع کثیر ہوتی ہے آنکھ جس سے قاصر ہوتی ہے کیونکہ وہ بہت زیادہ ہوتے ہیں اور اس کی اطراف میں بہت دوری ہوتی ہے۔ وہ دیکھنے والے کے گمان میں واقف کی طرح ہوتے ہیں جب کہ وہ چل رہے ہوتے ہیں۔ نابغہ نے لشکر کا وصف بیان کرتے ہوئے کہا:

بِأَرْعَنَ مِثْلِ الطَّوْدِ تَحْسَبُ أَنَّهُمْ وُقُوفٌ بِحَاجٍ وَالرِّكَابُ تُهَمْلِجُ

ارعن کے مقام پر بڑے ٹیلے کی مانند تو انہیں گمان کرے گا کہ یہ حج کا وقوف ہے اور اونٹ نرم اور تیز چال چل رہے ہیں۔

قشیری نے کہا: یہ یوم قیامت ہے یعنی وہ کثرت کی وجہ سے محسوس ہوتا ہے۔ وہ جامد ہیں آنکھ کے دیکھنے میں کھڑے ہیں اگرچہ وہ بادل کے چلنے کی طرح تیزی سے چل رہے ہیں۔ تیرے بادلوں کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے کہ وہ ٹھہرے ہوئے ہیں جب کہ وہ چل رہے ہیں وہ بادل کے گزرنے کی طرح گزر جاتے ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی باقی نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَّ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا۝ (النباء)

یہ جملہ کہا جاتا ہے: اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کی مختلف صفات بیان کی ہیں پس اس امر کی طرف لوٹتی ہیں کہ انہیں زمین کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے اور جن چیزوں کو یہ پوشیدہ کیے ہوتے تھے ان کو یہ ظاہر کرتے ہیں؛ ان صفات میں سے پہلی صفات ان کا باہم ٹکرانا اور ریزہ ریزہ ہونا ہے یہ زلزلہ سے قبل ہوگا۔ پھر وہ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے یہ اس وقت ہوگا جب آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو جمع کیا فرمایا: يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ۝ وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ۝ (المعارج) تیسری حالت یہ ہے کہ وہ باریک ذرات کی طرح ہو جائیں گے۔ پہلے وہ دھنکی ہوئی

روئی کی طرح تھے پھر وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ چوتھی حالت یہ ہے کہ انہیں اڑا دیا جائے گا کیونکہ احوال متقدمہ کے باوجود وہ اپنی حد پر قائم ہوں گے زمین اس کے نیچے ظاہر نہ ہوگی زمین سے ان پہاڑوں کو اڑا دیا جائے گا تاکہ وہ ظاہر ہو جائے جب انہیں اڑایا جائے گا تو ہواؤں کو ان پر بھیجا جائے گا۔ پانچویں حالت یہ ہوئی کہ ہوائیں پہاڑوں کو روئے زمین سے اٹھالیں گی اور ہوا میں شعاع کی حیثیت سے انہیں ظاہر کریں گی گویا وہ غبار ہیں۔ جو آدمی دور سے انہیں دیکھے گا تو اس غبار کے گھنا ہونے کی وجہ سے جامد جسم خیال کرے گا۔ وہ حقیقت میں چل رہے ہوں گے مگر ان کا چلنا ہواؤں کے اوپر سے ہوگا، گویا وہ ریزہ ریزہ ہو چکے ہیں اور ان کے اجزاء بکھر چکے ہوں گے۔ چھٹی حالت یہ ہے کہ وہ سراب ہوں جو آدمی ان کی جگہوں کو دیکھے گا تو ان میں سے کوئی چیز نہیں دیکھے گا گویا وہ سراب ہو۔ مقاتل نے کہا: وہ پہاڑ زمین پر واقع ہوں گے تو ان کے ساتھ زمین کو برابر کر دیا جائے گا۔ پھر ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بھی ایک مثال ہے۔ ماوردی نے کہا: ضرب الامثال کے بارے میں تین اقوال ہیں (۱) یہ ضرب المثل ہے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مثال دی ہے اسے دیکھنے والا گمان کرتا ہے کہ وہ اپنی جگہ کھڑی ہے جس طرح پہاڑ۔ یہ زوال میں سے اپنا حصہ لے رہی ہوتی ہے جس طرح بادل ہیں، یہ سہیل بن عبداللہ کا قول ہے (۲) یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی بیان کی ہے تو اسے دل میں ثابت گمان کرتا ہے جب کہ اس کا عمل آسمان کی طرف بلند ہو رہا ہوتا ہے (۳) یہ مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے نفس کی بیان فرمائی ہے جب روح نکلتی ہے اور روح عرش کی طرف جا رہی ہوتی ہے صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ یہ اللہ تعالیٰ کا عمل ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا عمل ہوتا ہے وہ بڑا مضبوط ہوتا ہے۔ تَرَى یہ آنکھ کی رؤیت ہے۔ اگر یہ دل کی رؤیت ہوتی تو فعل دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا یہ اصل میں ترأی ہے ہمزہ کی حرکت راء کو دی راء متحرک ہوگئی اور ہمزہ کو حذف کر دیا یہ ہمزہ میں تخفیف کا قاعدہ ہے جب اس کا ماقبل ساکن ہو۔ ورنہ تری کو تخفیف لازم ہوتی۔ اہل کوفہ تحسَبها پڑھتے ہیں یعنی سین پر فتحہ ہے یہی قیاس ہے کیونکہ حَسِبَ يَحْسَبُ سے مشتق ہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے برعکس مروی ہے۔ مگر مضارع میں کسرہ کے ساتھ قراءت کی ہے اس وقت یہ فَعِلَ يَفْعِلُ سے مشتق ہے جس طرح نَعِمَ يَنْعِمُ، بَئِسَ يَبْئِسُ اسی طرح يَئِسَ يَيْئِسُ ہے سالم سے نَعِمَ يَنْعِمُ ہے۔ ان حروف کے علاوہ کلام عرب میں یہ باب معروف نہیں۔

وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ تقدیر کلام یہ ہے مر مثل مر السحاب صفت کو موصوف کے قائم مقام رکھا اور مضاف کو مضاف الیہ کے قائم مقام رکھا۔ پہاڑوں کو روئے زمین سے اپنی جگہ سے زائل کر دیا جائے گا، انہیں جمع کیا جائے گا اور انہیں چلایا جائے گا جس طرح بادلوں کو چلایا جاتا ہے پھر انہیں توڑا جائے گا اور وہ زمین کی طرف لوٹ آئیں گے۔ جس طرح فرمایا:
وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ (الواقعہ)

صُنْعَ اللّٰهِ خلیل اور سیبویہ کے نزدیک مفعول مطلق کے طور پر منصوب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ اس پر دال ہے کہ اس نے یہ کام کیا۔ اغراء کے طریقہ پر نصب دینا بھی جائز ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی صفت کو دیکھو۔ اس تعبیر کی بنا پر السَّحَابِ پر وقف کیا جائے گا اور پہلی تقدیر کی بنا پر اس پر وقف نہیں کیا جائے گا۔ اس تقدیر کی بنا پر صُنْعَ اللّٰهِ پر رفع جائز ہے۔

الَّذِیۡۤ اَتۡقَنَ کُلَّ شَیۡءٍ جس نے ہر شے کو محکم کر دیا۔ اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: رحم اللہ من عمل عملا فاتقنہ۔ اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جو عمل کرے تو اسے پختہ کرے (1)۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے ہر چیز سے اچھا۔ اتقان کا معنی پختہ کرنا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے رجل تقن ایسا آدمی جو اشیاء کی سمجھ بوجھ رکھتا ہو۔ زہری نے کہا: اصل میں یہ ابن تقن ہے، یہ قوم عاد کا ایک آدمی تھا اس کا کوئی تیر ضائع نہ گرتا تو مثال بیان کی گئی؛ یہ جملہ کہا جاتا ہے: أرمی من ابن تقن۔ وہ ابن تقن سے بھی زیادہ تیر انداز ہے۔ پھر ہر وہ آدمی جو اشیاء کا ماہر ہوتا ہے اس کے لیے تقن کا لفظ استعمال کیا جاتا اِنَّهٗ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَفۡعَلُوۡنَ تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ جمہور کی قراءت ہے۔ ابن کثیر، ابوعمرو اور ہشام نے یاء کے ساتھ قراءت کی ہے۔

مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَۃِ فَلَہٗ خَیۡرٌ مِّنۡہَا حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حسنہ سے مراد لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ ابو معشر نے کہا: ابراہیم قسم اٹھایا کرتے تھے باللہ الذی لا الہ الا ھو۔ وہ یہ استثناء نہیں کرتے تھے کہ نیکی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ ہے۔ حضرت علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم نے کہا: ایک آدمی نے غزوہ میں شرکت کی جب وہ کسی جگہ تنہا ہوتا تو کہتا: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ اسی اثنا میں کہ وہ روم کے علاقہ میں جلفاء اور بردی کے علاقہ میں تھا اس نے بلند آواز سے کہا: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ تو ایک آدمی اس پر ظاہر ہوا جو گھوڑے پر سوار تھا جس کے جسم پر سفید لباس تھا۔ اس نے اسے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں اس کی جان ہے! یہ کلمہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَۃِ فَلَہٗ خَیۡرٌ مِّنۡہَا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ فرمایا: ''اللہ سے ڈرو جب تو کوئی برا عمل کرے تو اس کے بعد اچھا عمل بھی کر لے جو اس برائی کو مٹا دے''۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا بھی حسنات میں سے ہے؟ فرمایا: ''یہ افضل حسنات میں سے ہے''۔ ایک روایت میں ہے: ''ہاں یہ بہترین نیکی ہے''۔ بیہقی نے اسے ذکر کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد ہے جس نے اخلاص اور توحید کے ساتھ اچھا عمل کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہے جو تمام فرائض ادا کرے۔

میں کہتا ہوں: جب وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو ایک حقیقت اور جو اس کی وجہ سے چیزیں لازم ہوتی ہیں ان کو لاتا ہے جس طرح سورۂ ابراہیم میں گزر چکا ہے تو وہ توحید، اخلاص اور فرائض کو لانے والا ہے۔ اس کے لیے خیر ہے فَلَہٗ خَیۡرٌ مِّنۡہَا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس تک اس کی بھلائی پہنچے گی، یہ مجاہد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے لیے خوبصورت جزا ہے وہ جنت ہے۔ یہاں خَیۡرٌ کا کلمہ اسم تفضیل کا نہیں ہے۔ عکرمہ اور ابن جریج نے کہا: جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس کے لیے اس سے خیر ہو تو ایسا نہیں کیونکہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے بہتر کوئی چیز نہیں لیکن اس کے لیے اس کی خیر ہو گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَلَہٗ خَیۡرٌ مِّنۡہَا یہاں خیر اسم تفضیل کا صیغہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا بدلہ بندے کے عمل، اس کے قول اور اس کے ذکر سے بہتر ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی رضا بندے کے لیے بندے کے عمل سے بہتر ہو گی؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کئی گنا کی طرف لوٹتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ایک کے بدلہ میں دس گنا عطا فرماتا ہے اور

1۔ الترغیب والترہیب، کتاب التوبہ والزھد، جلد 4، صفحہ 111

تھوڑی مدت کے ایمان کے بدلہ میں ابدی ثواب عطا فرماتا ہے؛ یہ محمد بن کعب اور عبد الرحمن بن زید کا قول ہے۔

وَ هُمۡ مِّنۡ فَزَعٍ يَّوۡمَئِذٍ اٰمِنُوۡنَ عاصم، حمزہ اور کسائی نے فزع یومئذ اضافت کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید نے کہا: یہ میرے لیے زیادہ تعجب کا باعث ہے کیونکہ یہ دونوں تاویلوں کو عام ہے کہ اس روز تمام قسم کے خوفوں سے امن ہوگا۔ جب کہا: من فزع یومئذ گویا وہ ایسی فزع ہے جو فزع در فزع سے کم ہے۔ قشیری نے کہا: اسے من فزع تنوین کے ساتھ پڑھا، پھر یہ کہا گیا: اس سے مراد ایک گھبراہٹ ہے، جس طرح فرمایا: لَا يَحۡزُنُهُمُ الۡفَزَعُ الۡاَكۡبَرُ (الانبیاء: 103) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کثرت ہے کیونکہ یہ مصدر ہے اور مصدر کثرت کی صلاحیت رکھتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس تعبیر کی بنا پر دونوں قرائتیں ایک معنی میں ہیں۔ مہدوی نے کہا: جس نے من فزع یومئذ تنوین کے ساتھ پڑھا اس نے یومئذ کو فزع مصدر سے نصب دی۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ فزع کی صفت ہو اور محذوف کے متعلق ہو، کیونکہ مصادر کی خبر اسماء زمان کے ساتھ لگائی جاتی ہے اور ان کے ساتھ صفت لگائی جاتی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اسم فاعل کے متعلق ہو جو آمنون ہے۔ اور ظروف میں اضافت بطور مجاز ہوتی ہے جس نے تنوین کو حذف کیا اور میم کو فتحہ دیا تو اس نے اسے مبنی قرار دیا کیونکہ یہ ظرف زمان ہے ظرف زمان میں اعراب معرب کا نہیں ہوتا، جب یہ غیر منصرف کی طرف مضاف ہو یا غیر معرب کی طرف مضاف ہو تو یہ مبنی ہو جاتا ہے۔ سیبویہ نے یہ شعر پڑھا۔

علی حِينَ أَلْهَى النَّاسَ جُلُّ أُمُورِهِم

جب لوگوں کو ان کے بڑے بڑے امور نے غافل کر دیا۔

محل استدلال حین ہے۔

وَ مَنۡ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ، سیئہ سے مراد شرک ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام نخعی، حضرت ابو ہریرہ، مجاہد، قیس بن سعد اور حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ اہل تاویل کی جانب سے یہ اجماع ہے کہ حسنہ سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور سیئہ سے مراد شرک ہے یہی اس آیت میں تعبیر ہے۔ **فَكُبَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ فِي النَّارِ** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہیں پھینک دیا جائے گا۔ ضحاک نے کہا: انہیں پرے پھینکا جائے گا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: کببت الاناء میں نے برتن کو اس کے منہ کے بل دیا۔ اس سے لازم رکب ہے۔ کلام عرب میں بہت ہی کم واقع ہوا ہے۔

هَلۡ تُجۡزَوۡنَ انہیں کہا جائے گا: تمہیں بدلہ نہیں دیا جائے گا۔ پھر جائز ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ فرشتوں کا قول ہو اِلَّا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ مگر تمہیں اپنے اعمال کی جزا۔

اِنَّمَاۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الۡبَلۡدَةِ الَّذِيۡ حَرَّمَهَا وَ لَهٗ كُلُّ شَيۡءٍ ۫ وَّ اُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ۙ﴿۹۱﴾ وَ اَنۡ اَتۡلُوَا الۡقُرۡاٰنَ ۚ فَمَنِ اهۡتَدٰى فَاِنَّمَا يَهۡتَدِيۡ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَ مَنۡ ضَلَّ فَقُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَ ﴿۹۲﴾ وَ قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ سَيُرِيۡكُمۡ اٰيٰتِهٖ فَتَعۡرِفُوۡنَهَا ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۳﴾

''مجھے تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں اس (مقدس) شہر کے رب کی جس نے عزت و حرمت والا بنایا ہے اس کو اور اسی کی ہے ہر شے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں شامل ہو جاؤں فرمانبرداروں کے زمرہ میں نیز (یہ بھی کہ) میں تلاوت کیا کروں قرآن کی پس جو ہدایت قبول کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے ہدایت قبول کرتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے (تو اس کی قسمت)، فرماؤ: میں تو صرف ڈرانے والوں سے ہوں۔ اور آپ کہیے: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں وہ ابھی دکھائے گا تمہیں اپنی نشانیاں تو انہیں پہچان لو گے اور نہیں ہے آپ کا رب بے خبر ان کاموں سے جو (اے لوگو!) تم کیا کرتے ہو''۔

اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا مراد مکہ مکرمہ ہے اللہ تعالیٰ نے جس کی حرمت کو عظمت والا بنایا ہے یعنی اسے امن والا حرم بنایا ہے اس میں خون نہیں بہایا جاتا اور اس میں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا، کسی شکار کو شکار نہیں کیا جاتا، اس میں درخت کو نہیں کاٹا جاتا جس کی وضاحت کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے التی حرمها، بلدة کی صفت پڑھی ہے۔ جماعت کی قراءت الذی ہے یہ محل نصب میں ہے اور رب کی صفت ہے اگر لفظ رب معرف باللام ہوتا تو کہتا: الحرم مها اگر یہ بلدة کی صفت ہوتا تو کہتا: المحرم مهاهوا گر تو کہتا: الذی حرمها تو تو استدلال نہ کر سکتا کہ تو کہتا ھو۔

وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ پیدائش اور ملک کے اعتبار سے ہر شے اسی کی ہے۔ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اس کے حکم کو ماننے والے اس کی وحدانیت کا اقرار کرنے والے۔ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن کی تلاوت کروں یعنی اسے پڑھوں۔ فَمَنِ اهْتَدٰی اس کے لیے ہدایت کا ثواب ہے۔ وَمَنْ ضَلَّ تو میرے ذمہ تو صرف پیغام حق پہنچانا ہے۔ آیۂ قتال نے اس آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔ نحاس نے کہا: وَاَنْ اَتْلُوَ یہ ان کی وجہ سے منصوب ہے۔ فراء نے کہا: ایک قراءت میں وأن أتل ہے اس کا گمان ہے کہ یہ امر کی وجہ سے جزم کے محل میں ہے اسی وجہ سے اس سے واؤ حذف ہے۔ نحاس نے کہا: ہم کسی کو بھی نہیں جانتے جس نے یہ قراءت کی ہو۔ یہ تمام مصاحف کے خلاف ہے۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ اس نے جو نعمتیں کی ہیں اور اس نے جو ہمیں ہدایت عطا فرمائی ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے۔ سَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ تمہاری ذاتوں میں اور تمہارے علاوہ دوسری چیزوں میں اپنی آیات دکھائے گا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْۤ اَنْفُسِهِمْ (فصلت: 53) فَتَعْرِفُوْنَهَا تم اپنی ذاتوں، آسمانوں اور زمین میں اس کی قدرت اور وحدانیت کے دلائل پہچان لو گے۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝ (الذاریات) وَفِیْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ (الذاریات) وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اہل مدینہ، اہل شام اور حفص نے عاصم سے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا تو کلام ایک ہی نظم پر ہو جائے گی۔ باقی قراء نے یاء کے ساتھ صیغہ پڑھا ہے کہ اس کلام کو ماقبل کی طرف لوٹا دیا جائے۔ فَمَنِ اهْتَدٰی تو اس آیت کے بارے میں خبر دی۔ سورت مکمل ہو گئی الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ علیہ سیدنا محمد و علی آلہ و صحبہ و سلم۔